سند اور اہلبیتؑ

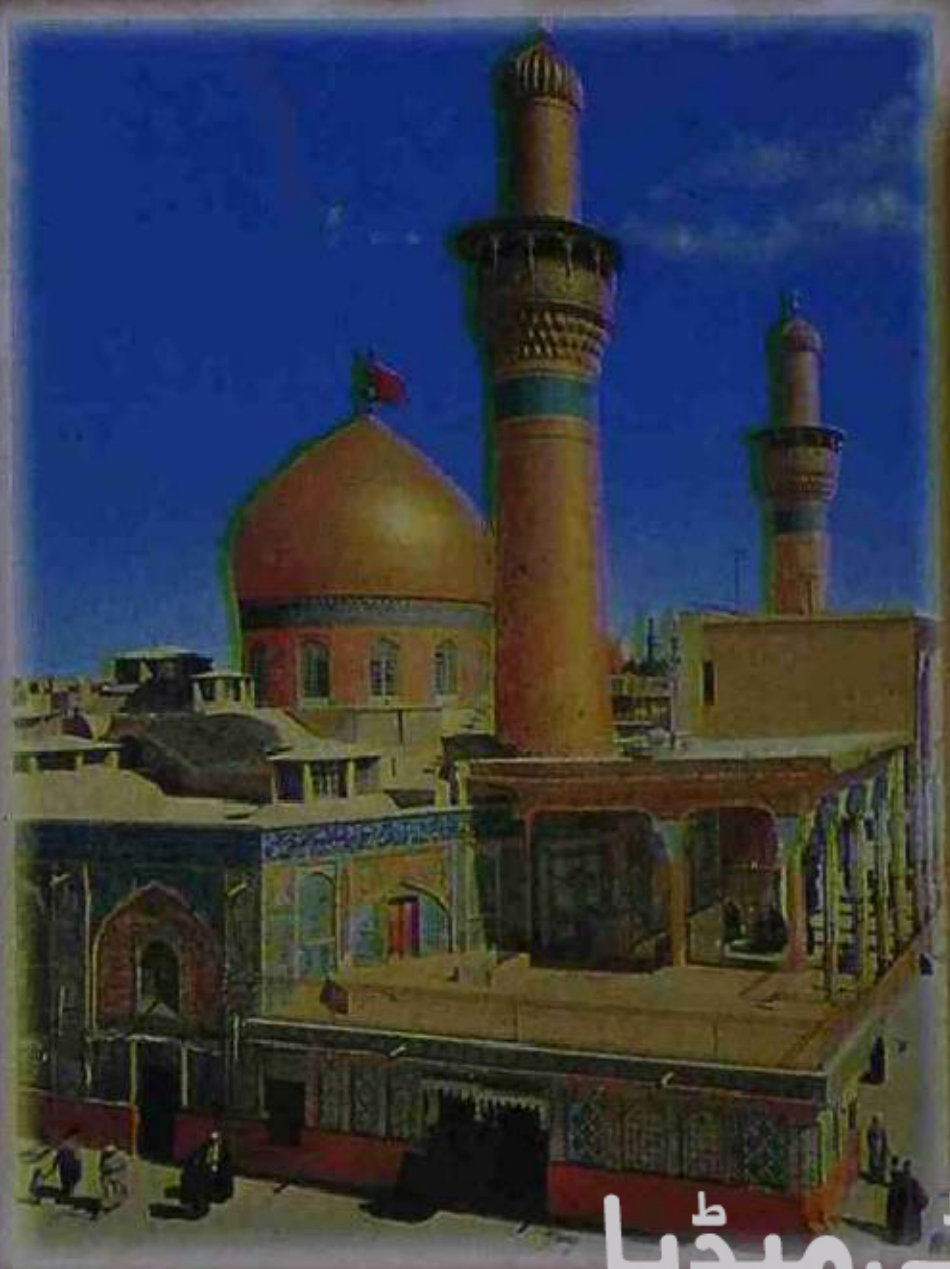

شیعہ ملٹی میڈیا

مصنّف
ابوالمحسن ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر

تقریظ
علامہ طالب جوہری

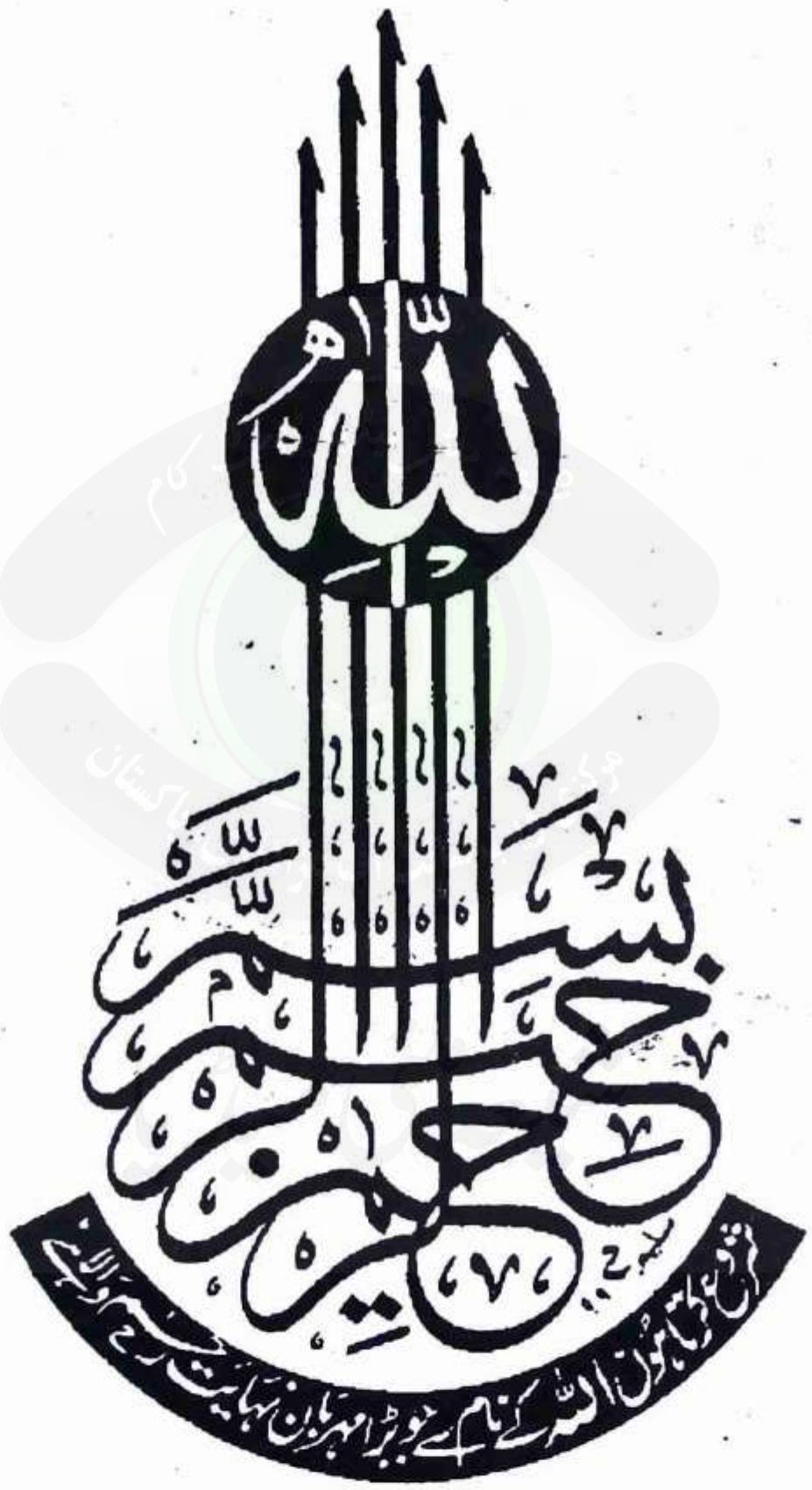

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ کتب ڈاونلوڈ کرنے کے لیے

www.ShiaMultimedia.com

786
1526

سندھ اور اہلبیتؑ

No. 15093 ...... Date 1/1/11
...Status
NAJAFI BOOK LIBRARY
NAJAFI BOOK LIBRARY

مصنف

ابوالمحسن ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

ناشر

محسن میرزا پبلیکیشن

ٹنڈو آغا حیدرآباد

جملہ حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب _____ سندھ اور اہلبیت

مصنف _____ ابوالمحسن ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ

کمپوزر _____ رئیس احمد قریشی حیدرآباد

مطبع _____

طبعِ اوّل _____ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ / مارچ ۲۰۰۱ء

قیمت _____ ۸۵ روپے

پبلیشر:۔ محسن میرزا پبلی کیشن ٹنڈو آغا حیدرآباد سندھ

❋ ❋ ❋

ملنے کا پتہ

۱۔ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر
ٹنڈو آغا حیدرآباد ۔ فون 34083-35829

۲۔ اسد بک ڈپو، قدم گاہ مولا علی حیدرآباد ____ فون 785626

۳۔ امامیہ سیلز پوائنٹ، قدم گاہ مولا علی حیدرآباد ۔

۴۔ رحمت اللہ بک ایجنسی، بڑا امام بارگاہ کھارا در کراچی

۵۔ محفوظ بک ایجنسی، امام بارگاہ شاہِ نجف مارٹن روڈ کراچی

ACC No. 15093 Date 6/1/11
Section شعر و سخن Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

انتساب

امام العصر حضرت صاحب الزمان

امام محمد مهدی علیه السّلام

جو بحکم خدا پردۂ غیبت میں ہیں

خداوند عالم ہمیں ان کی زیارت

اور نصرت نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین

BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M... Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211...

پیش لفظ (ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر) ۷

سرمایۂ عقیدت (سید نور محمد شاہ کاظمی) ۱۲

پاکستان میں سندھی مرثیے کی تاریخ پر پہلے پی ایچ ڈی (ڈاکٹر فدا حسین انصاری) ۱۳

تعارف (پروفیسر سید قوی احمد) ۱۶

دیباچہ (ڈاکٹر ہلال نقوی) ۱۹

تقریظ (علامہ طالب جوہری) ۲۲

سندھ ۲۳

سندھ کی موجودہ حدیں ۲۴

سندھ کا پھیلاؤ اور شہر ۲۴

حضرت آدمؑ کا ہندوستان (سندھ) کی زمین پر اترنا۔ ۲۴

سندھ میں شیعت کی ابتداء ۲۶

حضرت علیؑ کا آل شنسب کو علم عطا فرما کر سندھ روانہ کرنا ۲۹

حضرت علیؑ کا ایک آزاد سندھی کنیز خولہ سے عقد۔ ۳۲

زط (جت) قوم کی حضرت علیؑ سے عقیدت ۳۲

حضرت امام حسینؑ کا سندھ کو یاد کرنا ۳۳

حضرت امام حسینؑ کا سندھ سے وبا کو دفع کرنا ۳۳

ایران کے بادشاہ یزدجرد کی سندھی زوجہ ۳۴

حضرت امام حسینؑ کی ایک سندھی کنیز سلافہ ۳۷

حضرت امام زین العابدین کی والدہ بھی سندھی خاتون تھی۔ ۳۷

حضرت امام زین العابدین کی سندھی زوجہ حمیدہ خاتون یا حوریہ سندیہ ۳۷

حضرت زید شہید کی بھی زوجہ ایک سندھی خاتون تھی۔ ۳۹

جناب زید کی شہادت ۳۹

زیاد سندھی ۴۰

حضرت امام جعفر صادقؑ کے سندھی اصحاب ۴۰

سندھ کے لوگوں کا امام جعفر صادقؑ کی خدمات میں تحائف لانا۔ ۴۵

عرب کا مشہور شاعر فرزدق اور سندھ ۴۷

سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد اور اس کا کردار ۵۰

ولید بن یزید کا قاتل سندھی ۵۷

عمر بن حفص سندھ کا شیعہ گورنر ۵۷

حضرت امام حسینؑ کے پڑپوتے عبداللہ الاشتر کی سندھ میں آمد۔ ۵۷

سندھ میں بنی فاطمہ کی دعوت ۵۹

عبداللہ اشتر سندھ میں ایک ہندو راجہ کی پناہ میں۔ ۵۹

ہشام بن عمرو تغلبی کا والئی سندھ ہونا۔ ۶۰

منصور کا ایک سندھی محبِ اہلبیت کو قتل کروانا۔ ۶۱

ہشام بن عمرو تغلبی بھی آل محمدؐ کا طرفدار اور شعبیہ تھا۔ ۶۱

عبداللہ الاشتر کا بیگناہ قتل ۶۲

ہندو راجہ کا قتل ہونا ۶۳
سندھ میں خارجیوں کی آمد ۶۳
سندھ میں حسینی برہمن ۶۴
حضرت امام موسی کاظمؑ اور سندھ کا محترم
بندہ متمم ابن فیروز ۶۴
سندھ کے لوگ دربارِ ہارون رشید میں ۶۵
حضر امام رضاؑ کا ایک سندھی شخص اسمٰعیل سے ۶۷
سندھی میں گفتگو کرنا۔
امام رضاؑ کے سندھی طلباء ۶۹
حضرت امام رضاؑ کی ایک سندھی نصرانی سے گفتگو ۶۹
امام رضاؑ کی عمر اور ایک سندھی اسماعیل ۷۱
بن مہران
سندھ اور ایران کا شرف ۷۱
سندھ پر طاہرین کی حکومت ۷۲
خاندانِ صفاریہ کی سندھ پر حکومت ۷۳
سندھ پر ہباری خاندان کی حکومت ۷۴
قرآن مجید کا پہلا سندھی ترجمہ و تفسیر ۷۶
سندھ میں عید غدیر ۷۸
ایک جائزہ ۷۹
محمود غزنوی ۸۰
محمود غزنوی کا سندھ پر حملہ ۸۲
سندھ پر آلِ شنسب کا قبضہ ۸۲
شاہانِ آلِ شنسب ۸۳
غیاث الدین ۸۳
سندھ پر سلطان شہاب الدین کا قبضہ ۸۴
سندھ پر غلام سلاطین کی حکومت ۸۵
شمس الدین التمش ۸۵
اسماعیلی ت ۸۶
سندھ پر سومرہ خاندان کا دورِ حکومت ۹۰
سندھ پر سما حکمرانوں کا دورِ حکومت ۹۵
فہرست سلاطینِ سما سندھ ۱۰۰
گولکنڈہ اور بیجاپور شیعہ حکومت کا سندھ
میں سکا ۱۰۰
ارغون خاندان ۱۰۱
سندھ پر ارغون خاندان کی حکومت ۱۰۲
سندھ پر ترخان خاندان کی حکومت ۱۰۶
میرزا عیسی بیگ ۱۰۷
میرزا محمد باقی ترخان ۱۰۷
میرزا جانی بیگ ۱۰۸
میرزا عبدالرحیم خان خانان کی سندھ میں آمد ۱۰۸
میرزا غازی بیگ ۱۱۰
سندھ پر سلطان محمود کوکلتاش عرف سلطان ۱۱۲
محمود بکھری کی حکومت
سندھ پر کلہوڑا خاندان کی حکومت ۱۱۵
میاں نصیر محمد ۱۱۸
میاں دین محمد ۱۱۸
میاں یار محمد ۱۱۸
میاں نور محمد کلہوڑو ۱۱۹

میاں غلام شاہ کلہوڑو ۱۲۳
میاں سرفراز خان عباسی ۱۲۷
سندھ پر ٹالپر خاندان کی حکومت ۱۳۱
امیرانِ حیدر آباد ۱۳۲
خیرپور کے میر ۱۳۳
امیرانِ میرپور خاص ۱۳۳
میر فتح علی خان ٹالپر ۱۳۳
میر غلام علی خان ٹالپر ۱۳۷
میر کرم علی خان ٹالپر ۱۳۹
میر مراد علی خان ٹالپر ۱۴۳
میر نور محمد خان ٹالپر ۱۴۷
میر محمد نصیر خان ٹالپر (آخری تاجدار سندھ) ۱۴۸
میر صوبدار خان ٹالپر ۱۵۳
میر حسن علی خان ٹالپر ۱۵۴
میر حسن علی ٹالپر کی تصانیف ۱۵۸
میر عباس علی خان ٹالپر مومن ۱۵۹
میر شہداد خان حیدری ۱۶۱
میر حسین علی خان ٹالپر ۱۶۴
میر حاجی نور محمد خان ٹالپر ۱۶۵
میر عبدالحسین خان سانگی ۱۶۹
خیرپور میرس کے میر ۱۷۱
میر سہراب خان ٹالپر ۱۷۱
میر رستم خان ٹالپر ۱۷۴
میر علی مراد خان اول ۱۷۵
میر فیض محمد خان اول ۱۷۸
میر امام بخش خان ۱۷۹
میر علی نواز خان ناز ۱۷۹
میر فیض محمد خان دوم ۱۸۲
میر علی مراد خان ٹالپر ثانی موجودہ والیٔ خیرپور ۱۸۳

پیش لفظ

پیشِ نظر کتاب سے قبل ۱۹۹۷ء میں میری تالیف کردہ کتاب "سندھ جی عزاداری" سندھی زبان میں منظرِ عام پر آچکی ہے۔ جسے سندھ کے تقریباً ہر طبقۂ فکر نے پسند فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ کئی دوستوں نے اردو زبان میں بھی اس طرح کی کتاب لکھنے کیلئے کہا لہذا ان سے کیا ہوا وعدہ "سندھ اور اہلبیتؑ" کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

سندھی زبان میں سندھی مرثیہ پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ تحریر کرتے ہوئے مجھے ایک باب سندھ کی عزاداری پر بھی تحریر کرنا تھا۔ دورانِ مطالعہ اس موضوع پر ایک کتاب کا مواد میرے سامنے آگیا۔ جس سے استفادہ کرنے کے بعد سندھی میں ایک کتاب مرتب ہوگئی جسے "سندھ جی عزاداری" کے نام سے تالیف کیا گیا۔

اس کتاب کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی وہ اس لیے کہ برِ صغیر اور وسط ایشیا میں عزاداری اور شیعت پر متعدد کتابیں نظر سے گذریں۔ اور جہاں بھی سندھ کا تذکرہ آیا وہاں صرف چند الفاظ میں سندھ کی عزاداری کا تعارف کرایا گیا۔ بس یہی وجہ ہے کہ میرے ذوق و شوق نے مجھے سندھ میں عزاداری کی تاریخ لکھنے پر مامور کردیا۔ کتاب تحریر ہوکر منظرِ عام پر آگئی۔ اس کتاب کا اردو حصہ "سندھ اور اہلبیتؑ" کے نام سے زیرِ مطالعہ ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ "سندھ اور کربلا" انشاء اللہ جلد صاحبان علم تک پہنچے گا۔

سندھ کا قدیم مذہبی ادارہ "انجمن امامیہ سندھ" حیدرآباد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۰۸ء میں معرضِ وجود میں آیا۔ اس ادارے نے ۱۹۷۸ء تک سینکڑوں نایاب کتابیں سندھی زبان میں شائع کیں جو "انجمن امامیہ سندھ" حیدرآباد کی وجہ شہرت بن گئیں۔ جس میں گلزارِ ماتم، شاہکارِ حسن، نورِ ایمان، سرتاجِ امامت، تصویرِ غم، تحفۂ ماتم، خلافت و امامت، امیرِ مختار، چمنستانِ مناقب، زیارت نامہ، رجب نمبر، محرم نمبر وغیرہ سندھی زبان میں خاصی مقبول ہیں۔ ان تمام کاوشوں کا سہرا مرحوم میوہ خان کیریو کے سر جاتا ہے۔ لیکن افسوس آج اس ادارے کی حالت زار یہ ہے کہ اس ادارے کے پاس تمام وسائل ہوتے ہوئے بھی

ساٹھ ستر برس سے شائع ہونے والا ہفتہ روزہ "پنجتنی" اخبار کی اشاعت بھی ناممکن ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی زبان کے مشہور مرثیہ گو سید ثابت علی شاہ جیسے شاعر کے سندھی کلام کی اشاعت باسعادت بھی اس ادارے کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اسکے علاوہ اسی ادارے کے زیرانتظام و انصرام قدم گاہ مولا علی حیدرآباد بھی ہے۔ جس کی از سر نو تعمیر "نجف سندھ" کے نام سے یہ ادارہ کروارہا ہے۔ میں بھی اس قدیم ادارے کا ادنیٰ سا کارکن و خادم ہوں۔ میری دعا ہے کہ خداوندِ عالم اس ادارے کی توفیقات و تجلیات میں اضافہ عطا فرمائے تاکہ اراکینِ انجمنِ امامیہ سندھ تصنیف و تالیف اور نشرواشاعت کی طرف بھی خصوصی توجہ دے سکیں۔

ایسے اداروں کی عدم توجہ کی وجہ سے ابھی تک سندھ کی عزاداری وشیعت پر مواد منظرِ عام پر نہیں آسکا۔ میں نے حسبِ توفیق و حسبِ حیثیت مندرجہ ذیل کتابوں کی سندھی میں خود کتابت کی اور انہیں زیرِ اشاعت لاکر مذہبی فریضہ کے ادائیگی کا آغاز کرچکا ہوں۔

(۱) چودہ معجزے (سندھی میں)
(۳) عین البکا (مجموعہ مراثیہ راقم سندھی)
(۲) مجلس پڑھنے کا فن (سندھی میں)
(۴) نماز اثنا عشری (سندھی میں)
(۵) قرآن مجید (سندھی ترجمہ اور تفسیر) کی کتابت ہورہی ہے جسے تائیدِ ایزدی و محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ جلد از جلد مکمل کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔

تصنیف و تالیف اور نشرو اشاعت کے سلسلے میں بہت سے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن میں سب سے بڑا مالی مسئلہ ہے۔ جس کے بغیر کتاب کی اشاعت ناممکن ہے۔ بہرکیف! مجھے اور مجھ جیسے کئی طالب علموں کو یقیناً تائیدِ سرکارِ حجت حضرت امام زمانہ علیہ السلام حاصل ہے۔

اس کتاب میں عرب حکومت تا ٹالپر عہدِ حکومت اہالیانِ سندھ کی اہلبیتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور مودّت کا تذکرہ ہے

سندھ کی عزاداری میں سندھی مرثیہ عزاداری کا جزولاینفک ہے۔ لیکن سندھی مرثیہ پر

اب تک تحقیقی کام نہیں ہوا ۔ سندھی مرثیہ نگار بہت ہیں مگر انہیں عقیدت کے مسافر سمجھ کر نظر انداز کیا گیا ہے۔

سید ثابت علی شاہ کے سندھی مجموعہ مراثیہ ، قاری امان اللہ عباسی کا سندھی میں ترجمہ کردہ قرآنِ مجید اور نہج البلاغہ کے سندھی ترجمہ کی اشاعت کا سہرا بھی اردو بولنے والے صاحبانِ ذوق کے سر ہے جنہوں نے مذہب اور ادب سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

سندھی ادبی بورڈ جام شورو حیدرآباد سندھ کا ادبی ادارہ ہے جس نے سید ثابت علی شاہ کا کلام مرحوم میرزا عباس علی بیگ سے مرتب کروایا مگر پانچ ہزار روپیہ میں مسودہ خراساں اسلامک ریسرچ سینٹر کو فروخت کردیا جس نے یہ کلام شائع کیا۔

میں مایوس تو نہیں لیکن دعا کرتا ہوں کہ شاید وہ وقت ضرور آئے گا کہ ادبی و مذہبی ادارے ان نثر و نظم کے گرانقدر سرمایہ اور شہ پاروں کی اشاعت کریں گے جو مذہب کے ساتھ ساتھ ادب کو بقائے دوام عطا کرتے رہیں گے۔ میرے خاندان کے عظیمُ المرتب شاعر و نثر نگار ڈاکٹر میرزا مدد علی بیگ (المتوفی ۱۹۲۹ء) کی ایک یادگار نظم "کتاب سندھ میں اردو شاعری" مؤلف ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے نقل کررہا ہوں جو اردو ادب کے دلدادہ و صاحبانِ علم کے لیے خراج تحسین ہے۔

اے قوم تجھ پہ ہم ہوں فدا گر تو ہے روا
آنکھوں پہ اپنی تجھ کو بٹھائیں تو ہے بجا
احسان تو نے ہم پہ کیا آج اں قدر
ممکن نہیں کہ شکر تیرا ہم سے ہو ادا
دیکھا گیا نہ تجھ سے ہمارا غم و اَلم
آئے ہمارے درد کی کرنے یہاں دوا
وہ شمع جس سے ہند میں پھیلا تھا نور دیں
روشن ہوئی تھی پہلے جہاں ، ہے یہی وہ جا(۱)
سرچشمۂ علوم کبھی تھی جو سرزمیں

(۱) یعنی سرزمین سندھ

جس میں کمال و فضل کا دریا تھا بہہ رہا
صد حیف آج اس میں جہالت کا دور ہے
ایسا نہیں کوئی جو ہمارا ہو پیشوا
گرداب میں ہماری ترقی کا ہے جہاز
اور اس پہ طرّہ یہ کہ نہیں کوئی ناخدا
کم ہمتی کو زور ، شجاعت کو ضعف ہے
جرات رہی نہ پہلی سی اب ، اور نہ حوصلہ
افسوس در پہ غیر کے ہم بات بات پر
پھرتے ہیں کھاتے ٹھوکریں ، یہ حال ہو گیا
اک دن وہ تھا عنان حکومت تھی ہاتھ میں
اک دن یہ ہے کہ ہم کو نہیں کوئی پوچھتا
اے قوم ! چاہیں کس سے مدد ہم ، بتا تو ہی
ہم بے کسوں کا تیرے سوا کیا ہے آسرا
حالت ہماری تجھ پہ ہویدا ہو کس طرح
اخبار یار ہماری نہیں کوئی مطلقا
لازم ہے اب ہمیں بھی کہ غفلت کو چھوڑ کر
اس راہ پر چلیں جسے بتلائیں رہنما
امداد قوم سے ہمیں اُمید ہے مدد
حاصل ہمارے دل کا ہر اک ہوگا مدّعا
(۱۹۲۸ء)

آخر میں ، میں اپنے بڑے بھائی میرزا جمشید علی بیگ کا بیحد شکر گذار ہوں جنہوں نے اپنے کتب خانے کا نایاب ذخیرہ میرے حوالے کردیا جس سے میں نے استفادہ کر کے اس کتاب کی رونق بڑھائی ۔ اسکے علاوہ محترم جناب مولانا سید عارف حسین زیدی صاحب ساکن حیدرآباد قلعہ ، برادرم میرزا فتح علی بیگ شاہدؔ اور جناب سعید اختر صاحب نے اپنے مفید

مشوروں سے نوازا ۔ یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں تیار ہوچکی تھی ۔ مگر کمپیوٹر کی کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے کتاب تین مرتبہ کمپوزنگ ہو کر رہ گئی بالآخر برادرم رئیس احمد قریشی نے اس کتاب کی از سر نو کمپوزنگ کی ۔ خداوندِ عالم بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہم سب کو جزائے خیر و عمرِ دراز عطا فرمائے اور ہماری اولاد کو نیک اور صالح کرے ۔ آمین ثم آمین

آخر میں ایک اہم گذارش کہ میں اہل زبان تو نہیں پھر بھی یقیناً کچھ غلطیاں رہ گئیں ہوں گی ۔ لہذا ان غلطیوں کی پڑھنے والے حضرات ازراہِ کرم نشاندھی کر کے مطلع کریں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ان غلطیوں کا ازالہ کیا جاسکے ۔

والسلام

خادمِ بارگاہِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

ابوالمحسن ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسرؔ

ٹنڈو آغا حیدر آباد

یکم ذوالحج ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۵ فروری ۲۰۰۱ء

شیعہ ملٹی میڈیا

سرمایۂ عقیدت

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ کی لکھی ہوئی کتاب "سندھ اور اہلبیتؑ" کا مطالعہ کیا۔ پر انتہائی دلچسپ تحقیق معلوماتی اور تاریخی کتاب ہے۔ ان کی اس سے پہلے "سندھ جی عزاداری" پہ لکھی ہوئی کتاب جسے سندھ کے تمام لوگوں نے بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور مستفیض ہوئے، اس وقت ایسی کتاب ناپید ہے۔

تصنیف "سندھ اور اہلبیتؑ" جس میں اہلبیتؑ کا سندھ سے کیا تعلق رہا ہے اور کس طرح سے سندھ میں اہلبیتؑ کے چاہنے والوں نے اہلبیتؑ سے حقِ مودت کا اظہار کیا ہے اور کس طرح اہلبیتؑ کی تبلیغ کرتے رہے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ سندھ کی سرزمین وہ ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام اترے اور یہاں ان پر وحی نازل ہوئی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم کی پیشانی میں امانت تھا اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلعم کا ابتدائی ظہور بھی اس سندھ کی سرزمین پر ہوا۔ اس کے علاوہ اس وقت سندھ "علم پاک" کا مرکز ہے۔ یہ بھی بڑی سعادت کی بات ہے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دور میں شمس نامی شخص کو علم دیکر سندھ روانہ کیا۔ اور اسی سرزمین کے لوگوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے درس گاہ سے فیض حاصل کیا۔ مطلب یہ کہ ایک تاریخی کتاب ہے جسے پڑھنا چاہیئے۔ وہ تاریخی شواہد جو آج تک فقط قلمی کتابوں میں دفن ہیں جنہیں اس مردِ حق نے کھود کر پڑھنے والوں کے سامنے لے آنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اسی نوجوان شخص نے چھوٹی سی عمر میں پی ایچ ڈی کے ساتھ ساتھ اور بھی دوسری بہت سی کتابیں تصنیف کیں ہیں وہ بھی اپنے دستِ خلوص سے کتابت کر کے ہمارے سامنے پیش کیں ہے۔ اس وقت وہ سندھی زبان میں قرآنِ مجید اور اس کا ترجمہ و تفسیر لکھ رہے ہیں اور اپنے ہی ہاتھ سے کتابت کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔ خداوند عالم بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ انہیں جزائے خیر دے اور انہیں اپنے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ (آمین ثمہ آمین بحرمت طٰہٰ و یٰسین)

طالب دعا

سید نور محمد شاہ کاظمی

۲۰ نومبر ۲۰۰۰ء

پاکستان میں سندھی مرثیے کی تاریخ پر پہلے پی ایچ ڈی

(حیدر آباد سندھ کے نوجوان ادیب و شاعر ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر)
ڈاکٹر فدا حسین انصاری (گورنمنٹ کالج شہداد پور، سندھ)

اس مادہ پرست اور سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں جہاں عیش و عشرت کیلئے ہر طرح کا سامان مہیا ہے۔ وہاں علم و ادب کی کوئی وقعت اور قدر نہیں۔ ہر خورد و کبار اور جوان و پیر عیش و عشرت کے علاوہ کسی بھی چیز کو پسند نہیں کرتا، علم و ادب کی وہ محفلیں وہ مجلسیں اور وہ جگہیں ویران نظر آتی ہیں، جہاں علمی و ادبی محفلیں سجی رہتی تھیں۔ اب لوگ، علم و ادب سے کنارہ کشی کی راہیں تلاش کر رہے ہیں مگر علم و ادب ہے کہ جو اپنے معیار کو بلند رکھنے کیلئے نوجوانوں کے دامن کی طرف ہاتھ پھیلا پھیلا کے اپنی طرف بلانے کے لئے صدا لگا رہا ہے۔ ایسے ہی ایک نوجوان کی علم و ادب سے گہری دلچسپی اس کی عمر اور اس کی معلومات دیکھ کر اہلِ علم انگشت بدندان ہیں اور وہ نوجوان شخصیت حیدر آباد سندھ ٹنڈو آغا کے میرزا خاندان کے چشم و چراغ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسرؔ کی ہے۔ وہ شاعر بھی ہے، خطاط بھی نقاش بھی ہے نثر نویس بھی مرثیہ خوان اور مرثیہ گو بھی۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خوبیاں بھی اس نوجوان میں ملیں گی۔ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسرؔ جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی صدیوں سے شعر و سخن بلکہ یوں کہوں کہ فنون لطیفہ کے مالک اور دلدادہ رہے ہیں تو بے جا نہ ہوگا اور یہی اثر پشت در پشت اس خاندان کے ہر فرد میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس خاندان کا ہر طفلِ مکتب زیور شعر و سخن اور ادب سے آراستہ ہے۔ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ نے حال ہی میں "سندھی مرثیہ نویسی جو تحقیقی جائزو" کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر، سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے۔ میرے خیال میں سندھ یونیورسٹی، کے سندھی شعبہ میں جنہوں نے بھی پی ایچ ڈی کی سندھ حاصل کی ہے ان میں سے ڈاکٹر صاحب سب سے کم عمر ہیں جنہوں نے تقریباً آٹھ سال کی مسلسل محنت شاقہ کے بعد

ڈگری حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر میرزا امام علی ۱۴ اگست ۱۹۶۰ء میں ٹنڈو آغا حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولتے ہی خاندان میں علم و ادب اور شعر و سخن کی محافل اور مجالس دیکھ کر بچپن سے ہی شعر و سخن کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ پرائمری تعلیم کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول حیدر آباد میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کیلئے داخلہ لیا۔ چھٹی جماعت سے ہی ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنے لگے۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ مشقِ سخن بھی جاری رہی۔ ۱۹۷۷ء میں میٹرک اور ۱۹۸۵ء میں ایم اے سندھی فرسٹ کلاس میں پاس کیا، اور ستمبر ۱۹۹۶ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری "سندھی مرثیہ نویسی جو تحقیق جائزو" کے عنوان پر مقالہ لکھ کر سندھ یونیورسٹی سے حاصل کی۔

۱۹۷۸ء میں ملازمت کا آغاز ہوا ستمبر ۱۹۹۱ء میں کمیشن پاس کر کے گورنمنٹ سندھ کالج آف کامرس حیدر آباد میں بطور لیکچرار مقرر ہوئے جہاں وہ سندھی ادب پڑھا کر تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کے خاندان میں آباؤ اجداد سے مجالس عزا کا سلسلہ جاری ہے یہی وجہ ہے کہ بچپن میں آپ کو اپنے نانا مرحوم میرزا علی محمد بیگ مظفرؔ نے متعدد سندھی شعراء کے اور بالخصوص اردو میں میرزا دبیرؔ اور میر انیسؔ کے سلام پڑھانے شروع کئے خاندان کا ہر فرد شاعر ہے اور شاعر تھا بلکہ یوں کہوں کہ شاعری انہیں ورثے میں ملی ہے۔ تو زیادہ درست ہوگا شاعرانہ ماحول میں رہ کر انہیں شاعری کا شوق فطری تھا محفلوں اور مجلسوں میں قصیدہ خوانی، سلام خوانی، مرثیہ خوانی نوحہ خوانی کرنے سے موزونی طبع کو جِلا ملتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شعر کہنے لگے اور تقریباً تیرہ برس کی عمر میں باقاعدہ شعر کہنے لگے۔ شاعری میں پہلے اپنے نانا مرحوم میرزا علی محمد بیگ سے اس کے بعد استاد میرزا فتح علی بیگ شاہدؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ میرزا فتح علی بیگ سے نہ صرف شاعری بلکہ فن خوشنویسی میں بھی اصلاح لی۔ حیدر آباد سندھ میں، تالپور حکمرانوں کے دور سے دو امام بارگاہیں سب سے قدیم ہیں ایک تالپور حکمرانوں کی امام بارگاہ جو آج بھی لطیف آباد نمبر ۴ حیدر آباد میں موجود ہے اور دوسری ٹنڈو آغا حیدر آباد میں میرزا فتح علی بیگ فتح کی امام بارگاہ ۱۸۶۳ء کے بعد بنی جہاں آج

تک ہر جمعرات کے علاوہ مخصوص ایام میں بھی مجالس و محافل منعقد ہوتی رہتی ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے بزرگوں کے ساتھ بچپن سے یہاں مرثیہ خوانی کی اس طرح مرثیہ گوئی کی طرف طبیعت مائل ہوتی چلی گئی۔

بچپن سے ہی ڈاکٹر صاحب کو سندھ کے نامور مرثیہ گو شعرا کے مرثیوں کی بیاضیں کتابت کرنے کا بیحد شوق رہا۔ جنہیں وقتاً فوقتاً مجالس میں پڑھنے سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے سندھی مرثیے میں نئی سے نئی جہتیں تلاش کرنے لگے۔ حسنِ اتفاق سے آپ کا سندھی مرثیہ سے اتنا گہرا تعلق رہا کہ ایم اے سندھی فائنل میں بھی "حیدرآباد کے شعرا کی سندھی مرثیہ گوئی" کے عنوان سے ایک مقالہ جو تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ہے لکھا اور اس کے بعد "سندھی مرثیہ نویسی جو تحقیق جائزو" کے عنوان سے تقریباً ۵۰۰ صفحات پر ایک ضخیم مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

تعارف

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کا نظریۂ حیات اسلام کا پیغامِ ابدی و سرمدی ہے ۔ قرآنِ کریم سرچشمہ ہدایت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ایمان کا جزو لازم ہے ۔ حضور اکرمؐ وجہِ تخلیق کائنات ہیں ۔ آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا وعدہ قرآنِ کریم میں خود رب قدیر نے فرمایا ہے ۔ چونکہ آپ کی ذات ہمارے لئے باعث نمونہ ہے اس کے لئے اہلبیتؑ اطہار اور اصحابِ سیّد ابرار سے محبت بھی ہم پر فرض عین ہے ۔ اہلبیتؑ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران اور حضورؐ کے وصال (۱۱ ھ مطابق ۶۳۲ سال میلادی) کے بعد کئی سو برس تک تسلسل سے اسلام کیلئے بیحد اور سرمایۂ افتخار خدمات انجام دی ہیں ۔ ۶۱ ھ (مطابق ۶۸۰ سال میلادی یا سال عیسوی) میں سانحۂ کربلا نے مسلمانوں کو اہلبیتؑ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت وعقیدت کی ایک نئی جہت عطا کی جو تا ہنگامِ قیامت جِلا پاتی رہے گی ۔ اسی کی ایک شکل عزاداری بھی ہے اور مرثیہ نگاری و مرثیہ خوانی بھی ۔ فی نفسہٖ عزاداری سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا البتہ اس کی اشکال پر اختلاف ہوسکتا ہے ۔ تذکرۂ سانحۂ کربلا کسی نہ کسی انداز میں مسلمانوں کے ہر فرقے میں ہمیشہ موجود رہا ہے ۔ البتہ اثنا عشری مسلمانوں کی پہچان بن گیا ہے ۔ سانحۂ کربلا پر جتنا زور شیعہ مسلمانوں میں دیا جاتا ہے اتنا دوسرے مسلمانوں میں نہیں ہے ۔

برصغیر جنوبی ایشیا میں عزاداری کئی سو سال پرانی ہے ۔ ہمارا صوبۂ سندھ بھی اس ریت میں کسی سے کم نہیں ہے ۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ بعض عاقبت نا اندیش دورانِ عزاداری ایسی دلخراش باتیں بھی کرجاتے ہیں جس کی بناء پر سنی شعیہ اتحاد پر برا اثر پڑتا ہے دونوں سمت کے انتہا پسند تباہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی اختلاف مکتبِ فکر کے ، یا مسلمانوں کی دل آزاری کے فروغِ اسلام کے اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کے لئے عزاداری اور مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کو اختیار کیا جائے ۔ ایسی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ تصور دینے کی صورت نکلے کہ خدانخواستہ اہلبیتؑ نے شیعیت کی بنیاد رکھی ہے ۔ شعیہ سنی تقسیم ہماری اپنی بدنصیبی ہے اہلبیتؑ اطہار رضوان اللہ اجمعین تو تمام مسلمانانِ عالم کا مشترکہ سرمایہ ہیں اور عملاً جزوِ ایمان بھی ۔ بلکہ یہ ذواتِ مقدسہ پوری انسانیت کا سرمایہ بھی ہیں ۔ ایک گھرانے کے اتنے ذوات مقدسہ کسی اور مذہب

میں نہیں ملتے ۔ ذوات مقدسہ ہر مذہب میں موجود ہیں لیکن ایک ہی گھرانے کے ذوات مقدسہ کہیں اور نہیں ملتے ۔

مسلمانوں میں ایک مرض بہت پرانا ہے یعنیٰ یہ کہ نجی محافل میں سنی مسلمان شیعوں کا اور شیعہ مسلمان سنیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کٹر ایک دوسرے کو کافر بتلاتے ہیں۔ نجی محافل میں یہ طور طریقے اور مشترکہ محافل میں تبلیغِ یکجہتی ہمارے کردار کی دوئی رخی کی علامت ہے ۔ اختلاف کی فضاء میں کس طرح اسلامی تقاضے پورے کئے جائیں اس کی زندہ مثالیں ان ذوات مقدسہ نے فراہم کی ہیں جنھیں ہم اہلبیتؑ اطہار کہتے ہیں کسی مکرو فریب سے اسلام میں اتحاد ممکن نہیں ہے ۔ ایک سمت ہم اتحاد کی باتیں کرتے ہیں تو دوسری سمت نجی محافل میں اسی اتحاد کو پارہ پارہ کرتے ہیں ۔ یہ طریقۂ کار محمدؐ و آل محمدؐ سے بغاوت ہے ۔

اس تمہید کے بعد میں مضمون کی طرف آتا ہوں ۔ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسرؔ جو زبان سندھی میں پی ایچ ڈی ہیں ایک معتبر اور پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہیں ۔ ان کے جدِ اعلیٰ میرزا فتح علی بیگ فتح امیرانِ سندھ کے دور حکومت کے بہترین سندھی اردو مرثیہ گو شاعر اور مرثیہ خواں گذرے ہیں ۔ جنہیں ٹالپر حکمرانوں نے خیرپور سے حیدرآباد سندھ میں آکر مستقل سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی ۔ جسے میرزا صاحب نے بہ سروچشم قبول کرکے حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہ حیدرآباد سندھ کے تاریخی شہر کے قدیم باشندے ہیں ۔ ان کی مادری زبان سندھی ہے مسلک کے اعتبار سے اثناء عشری ہیں ۔ ہر قسم کے تعصب سے بالا تر ہیں ۔ سچے مسلمان اور سچے پاکستانی ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں ۔ ان کا گھرانہ ، حیدرآباد سندھ کا ایسا پُروقار گھرانہ جس کی پہچان نہ تو دولتِ دنیوی ہے اور نہ مال و متاعِ فانی ہے بلکہ محبت محمدؐ و آل محمدؐ ہے اور علم و آگہی کی دولت سے اللہ نے ان کے گھرانے کو سرفراز فرمایا ہے ۔

دکتور میرزا امام علی بیگ افسرؔ ایک خوش فکر و خوش خصال نوجوان ہیں ۔ اچھے خطاط بھی ہیں اور سندھی ، اردو اور فارسی پر اچھی نظر رکھتے ہیں بہترین شاعر بھی ہیں دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں ۔ میں انھیں صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے زبان اردو میں "سندھ اور اہلبیتؑ" کے عنوان سے یہ کتاب منصۂ شُہود پر لاکر ہمارے صوبے کی تاریخ کے اس پہلوکو بھی اجاگر کیا ہے ۔ جس کا تعلق حبِ اہلبیتؑ اور عزاداری سے

ہے ۔ دکتور (ڈاکٹر) میرزا امام علی بیگ افسرؔ گورنمنٹ سندھ کالج آف کامرس حیدرآباد سندھ میں استاد زبان سندھی ہیں ۔ میں اس کالج میں ۲۳ اگست ۱۹۵۴ء سے ۳۰ جون ۱۹۹۶ء تک تعینات رہا اور یکم اکتوبر ۱۹۵۵ء سے ۳۰ جون ۱۹۹۶ء تک اس کالج کا صدر مدرس (پرنسپل) رہا ۔ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسرؔ کو اس اعتبار سے بھی میں نے قریب سے دیکھا ہے کہ ایسے فرزندوں پر گیتیٔ سندھ کو بجا طور پر فخر ہونا چاہیئے ۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان کے زورِ قلم کو اور بھی زیادہ کرے ۔ آمین

زیر نظر کتاب ہمارے ادب میں ایک اچھا اضافہ ہےاور اس کے ذریعہ سندھ کی تاریخ کا ایک اور گوشہ منظر عام پر آسکے گا ۔ ۱۹۴۷ء سے قبل صوبۂ سندھ میں سندھی اور فارسی میں زیادہ کام ہوا ہے اور اردو میں کم جس کی بناء پر اردو بولنے والے سندھ کی تاریخ کے بہت سے گوشوں سے لاعلم ہیں ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو بولنے اور سمجھنے والوں میں عظمت صوبہ سندھ کو عیاں کرنے کے لئے ایسی کتابیں لکھی جائیں جن میں ہمارے صوبے کے کارنامے اردو میں بیان کئے گئے ہوں ۔ علاوہ ازیں خود اس صوبےمیں کم ازکم ۴۰ فیصد لوگ گھروں میں سندھی کے برعکس کوئی اور زبان بولتے ہیں ۔ البتہ اردو زبان سب میں مقبول ہے ۔ سندھی ایک قدیم ، شائستہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جس کی اصناف سخن میں مرثیہ گوئی بھی ایک اہم صنف ہے ۔ مرثیہ گوئی ، اہلِ تشیع میں چاہے کتنی ہی مقبول ہو شیعت کی کوئی علامت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا مشترکہ سخن ہے ۔

اس مضمون کو علامہ اقبال کے ان اشعار پر ختم کرتا ہوں ۔

ریگ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسین باز دہ ، کوفہ و شام خویش را

سید قوی احمد
صدر ، مجلس منتظمہ
سندھ طبیہ کالج حیدرآباد ، سندھ

سہ شنبہ ۱۶ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ
مطابق ۳ فروری ۱۹۹۹ء

دیباچہ

میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ سندھی زبان و ادب کی رثائیہ و عزائیہ تاریخ جب بھی مرتب کی جائے گی تو ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر کے نام اور کام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ وہ حیدر آباد سندھ میں ٹنڈ و آغا کے اُس میرزا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے تہذیبی، علمی و مجلسی پس منظر کی وجہ سے اہلِ بصیرت میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

سندھ میں سومرا دوَرِ حکومت (۴۴۵ھ تا ۸۳۱ھ) میں جام نندہ اپنے دوَر کے بہترین حکمران تھے۔ یہ علماء و شعراء اور بزرگانِ دین کے بے حد قدر دان تھے۔ دین اسلام کی تبلیغ کے لئے انہوں نے بیشمار علماء کو مامور کیا۔ جس میں سے میرزا محمد فاضل بیگ ولد مرزا نذر علی بیگ (۸۴۶ھ تا ۹۲۶ھ) کی شخصیت بہت اہمیت کی حامل تھی۔ میرزا صاحب ایران سے ہوتے ہوئے پہلے دہلی میں آئے۔ دہلی میں آب و ہوا اپنے لئے ناموافق سمجھ کر اور ٹھٹھہ شہر کی علمی شہرت سن کر دہلی سے آکر جام نندہ کے ایام میں ٹھٹھہ سندھ میں آباد ہوئے۔ یہ بزرگ شاعر خطیب، حکیم اور مدرس تھے۔ پاکباز خداترس اور نیک انسان تھے۔ جلوہ گاہ امامین میں تذکرہ معصومین ہر شبِ جمعہ کرتے تھے۔ جلوہ گاہ امامین کے قریب درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ایام محرم میں مجلس (شہادت نامہ) پڑھتے اور غمگین رہتے تھے۔ میرزا محمد فاضل بیگ کے فرزند میرزا مراد علی بیگ اپنے والد کے انتقال کے بعد، خیرپور میرس کے حکمران میر سہراب خان کے فرمائش پر ٹھٹھہ سے خیرپور آکر مقیم ہوئے جہاں وہ میر صاحب کے مجالس عزا میں سندھی میں مرثیہ خوانی کرنے لگے اور چند ہی ایام میں اپنا مقام پیدا کیا۔ میرزا مراد علی بیگ کے فرزند میرزا فتح علی بیگ خیرپور میں مذہبی تبلیغ کرتے تھے اور ٹالپر حکمرانوں سے مرثیہ خوانی کے سبب وابستہ تھے۔ ۱۸۶۳ء میں میر حسین علی خان ٹالپر اور میر حسن علی خان ٹالپر کی خواہش پر حیدر آباد ٹنڈو آغا میں آکر مقیم ہوئے۔ جہاں پر آج بھی آپکی اولاد آباد ہے اور اسی طرح مرثیہ خوانی شاعری، خطاطی اور خطابت کے ورثہ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر میرزا فتح علی بیگ فتح کی پانچویں پشت سے ہیں اور میر انیس کے اس شعر کی بعینہ تصویر نظر آرہے ہیں۔

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاہی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ کو جوان سال ادیبوں میں ممتاز درجہ حاصل ہے۔ وہ ۱۹۶۰ میں پیدا ہوئے۔ نوعمری ہی سے انہیں سندھی مرثیے اور سندھ کی عزائیہ تہذیب کے متعلق تحقیقی مطالعہ سے دلچسپی رہی ہے۔ سندھی میں ایم۔ اے میں انہوں نے حیدرآباد سندھ کے شعراء کی مرثیہ گوئی پر مقالہ لکھا۔ بعد میں ۱۹۹۶ء میں سندھ یونیورسٹی سے "سندھی مرثیہ نویسی جو تحقیقی جائزو" کے عنوان پر انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ سندھی مرثیے کی تاریخ پر پاکستان کے پہلے پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ کے علمی خاندان کے کارنامے بہت نمایاں ہیں۔ انہوں نے جہاں قلم سے مسلسل علمی جہاد کئے۔ وہاں ٹنڈو آغا میں ایک ایسی امام بارگاہ بھی قائم کی جو مرجع خلائق ہے اور جہاں کی مخصوص روایتیں اپنے آباؤ اجداد کی تحریک۔ عزاداری کو ہمہ وقت آگے لے کر چل رہی ہیں یہ امام بارگاہ ۱۸۶۳ء میں قائم ہوئی۔ اس امام بارگاہ میں نہ صرف سندھ بلکہ برصغیر کے اہم ترین ذاکرین اور جید علما ممبر افروز ہوچکے ہیں۔ جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا ابو الحسن کشمیری۔ مولانا سید ابوالحسن بن مہدی لکھنوی۔ مولانا ابوالقاسم الحائری سید احمد حسینی۔ سید اعجاز حسین کنتوری۔ مولانا میرزا فتح علی فیض آبادی۔ مولانا محمد حسین آذر بائیجانی۔ سید رضا حسن نونہروی۔ سید زیرک حسین امروہوی۔ سید اولاد حیدر ساکن کھجوہ۔ سید اولاد حیدر بلگرامی۔ مولانا سید ثمر حسن زیدی۔ مولانا سید کلب حسین کنتور۔ مولانا سید علی نقی نقن۔ علامہ رشید ترابی۔ حافظ ذوالفقار۔ مولانا سید اظہر حسن زیدی وغیرہ۔

اردو اور سندھی کے اہم ترین مرثیہ نگار شعرا نے بھی اپنے مرثیے یہاں کے سامعین کے سامنے پیش کیے ہیں۔ مرزا فتح علی بیگ صاحب نے اس منبر پر مرزا دبیر کے آنے کا تذکرہ کیا ہے گذشتہ سال راقم السطور کو بھی یہاں مرثیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوچکی ہے۔

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ اکثر و بیشتر خود بھی وہاں مرثیہ پیش کرتے ہیں۔ شاعری

سے ہٹ کر جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ مرثیے کی تحقیق بھی اُن کا میدان ہے۔ اپنی ثقافت، تہذیب، عزانیہ میراث اور مجلسی زندگی سے انہیں جو ایک گہرا شغف ہے اُس کی ایک روشن مثال ان کی تازہ کتاب "سندھ اور اہلبیتؑ" ہے

"سندھ اور اہلبیتؑ" کی تشکیل خالص تحقیقی بنیادوں پر ہوئی ہے۔ اپنے اس تحقیقی سفر میں انہوں نے بہت سی نئی منزلوں کا پتہ دیا ہے اور بعض بالکل نئے گوشے ہمارے سامنے آئے ! اس کتاب میں انہوں نے کئی سنجیدہ موضوعات کو عنوان تحقیق قرار دیا جو خصوصیات ان اوراق سے مخصوص ہیں وہ سطر در سطر پھیلی رہتی ہیں۔ اگر مسلسل حوالے دیئے جائیں تو بات بہت دور تک چلی جائے گی۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک پہلو کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ کے اس کام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں موضوع کی نزاکت کے باوجود کہیں کسی تنگ نظری یا تعصب کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ان گوشوں کو زیادہ اُبھارتے ہیں جس سے امتِ مسلمہ کو روشنی کی نئی راہیں ملیں۔ مثلاً ایک بحث کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں:

> "بابر نے تزکِ بابری میں ہمایوں کو وصیت کی ہے۔ کہ شیعہ و سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کیا جائے ایسے اختلافات کی وجہ سے اسلام کمزور ہوجاتا ہے۔ ارغونوں اور ترخانوں نے بھی سندھ میں اس وصیت پر عمل کیا اور کبھی بھی اِس طرح کے اختلافات سندھ میں پیدا نہیں ہوئے۔"

تحقیقی کتاب میں ایسے جذبوں کو نمایاں کرکے ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ صاحب نے علم و ادب کی دیانتدارانہ خدمت انجام دی ہے۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ ادب کا فروغ بھی اور اسلام کی سربلندی و عظمت کیلئے قلم سے جہاد بھی۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اہلِ علم کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

(۵۔ مارچ ۱۹۹۹ء)

ڈاکٹر ہلال نقوی
پاکستان اسٹیڈی سینٹر
کراچی یونیورسٹی

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم

تقریظ

سندھ کی سرزمین قدیم تہذیبوں کی سرزمین ہے۔ گذری ہوئی تہذیبوں کے خلط و مزج نے سندھ میں جس مزاج کی تشکیل کی وہ مزاج وسعتِ قلب، رواداری، مہمان نوازی اور استغناء عن الدنیا سے عبارت ہے۔ یہی سبب ہے کہ سرزمین سندھ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کیلئے مورد توجہ رہی جنھیں جباروں اور طاغوتوں کے مظالم نے سرگشتہ و حیران بنادیا تھا۔

ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر سندھ کے ان نوجوان دانشوروں میں سے ہیں جو سندھ کے علمی، ثقافتی اور تاریخی خدوخال اجاگر کرنے میں مشغول ہیں۔ سندھ کے قدیم ثقافتی ورثہ سے ان کا نمایاں تعلق اس حوالے سے بھی قابلِ توجہ ہے کہ انہوں نے سندھی مرثیہ پر پہلا تحقیقی کام کرکے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

زیرِ نظر کتاب "سندھ اور اہلبیت" ڈاکٹر بیگ کی ایک ایسی کاوش ہے جس میں تاریخ کے طلباء اور اہلبیتؑ کے دوستدار دونوں ہی کیلئے کشش ہے۔ میں نے جستہ جستہ اس کتابِ کو دیکھا اور اس کی افادیت کا قائل ہوتا گیا۔

قارئین میری اس رائے کی تائید کرینگے کہ یہ کتاب تاریخ، محبتِ اہل بیت اور رثائی ادب کے مثلث میں توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔ مجھے امید ہے کہ خوش ذوق قارئین میں یہ کتاب قبولیت عام حاصل کرے گی اور مورد استفادہ قرار پائے گی۔

میں ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر کی مزید توفیقات کیلئے دعا گو ہوں۔

طالب جوہری

۱۔ ذی الحج ۱۴۱۹ ھجری

سندھ

دور حاضر میں سرزمینِ سندھ پاکستان کا ایک صوبہ ہے ۔ مگر آج سے چودہ سو برس پہلے سندھ کی علاقائی حدود بہت وسیع تھیں ۔ اسلام سے پہلے راجہ داہر کے دور حکومت میں سندھ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحرہ عرب اور گجرات تک ، مشرق میں موجودہ مالوہ کے درمیان اور راجپوتانہ تک اور شمال میں ملتان سے ہوتا ہوا جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا اور عرب مورخ اس پورے علاقہ کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ یہ سرزمینِ سندھ اتنی قدیم ہے کہ اس کے متعلق بیان بھی نہیں کر سکتے کہ یہ کب سے ہے اور اس کے نام میں کون کون سی تبدیلیاں آئیں ۔ تاریخ سے فقط اتنی ہی معلومات ملتی ہیں کہ آج سے ہزاروں برس پہلے جس آریہ قوم نے اس زمین یعنی سندھ پر قدم رکھا تو انہوں نے اس کا نام " سندھو " رکھا ، کیونکہ یہ اپنی زبان مین دریا کو " سندھو " کہتے تھے . ابتداء میں یہ اس سرزمین کو سندھو کہتے رہے ۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ اسے سندھ کہنے لگے ۔ یہ نام اسقدر مقبول ہوا کہ ہزاروں برس گذرجانے کے بعد آج بھی اس سرزمین کا نام سندھ ہی ہے ۔ ابتدا میں آریاؤں نے سندھ کے قرب و جوار میں جو بھی ملک فتح کیے ان سب کو سندھ ہی کہا گیا ۔ یہاں تک کہ پنجاب کی سرحد سے آگے بڑھ گئے ۔ لیکن نام میں کوئی بھی تبدیلی نہیں آئی ۔ جب گنگا تک پہنچے تو اس کا نام آریہ ورت رکھا گیا مگر ہندوستان سے باہر اس نام کو شہرت حاصل نہ ہوئی ۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کا کوئی بھی ایک نام نہیں تھا ۔ ہر صوبے کا نام الگ الگ تھا ۔ باہر ریاست کا نام اس کی راجدھانی کے نام سے مشہور تھا ۔ اہل فارس نے جب ہندوستان کے ایک صوبے پر قبضہ کیا تو اس دریا کا نام جسے اب دریائے سندھ کہا جاتا ہے اور جس کو عربوں نے مہران کہا " ہندو" رکھا ۔ قدیم ایرانی زبان اور سنسکرت میں " س " اور " ھ " آپس میں متبادل ہیں جس کی بہت سی مثالیں ہیں اسی لئے فارس والوں نے اس کو ہندو کہا جس کی وجہ سے ہندوستان کا نام ہند پڑ گیا ۔ عرب جو سندھ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے شہروں سے بھی واقف تھے انہوں نے سندھ ہی کہا ۔ مگر اس کے علاوہ

ہندوستان کے دوسرے شہروں کو بھی ہند کہا اور آخر میں یہی نام پوری دنیا میں دوسرے ناموں سے پھیل گیا۔ اور "ھ" کا حرف "الف" میں مبدل ہو کر فرانسیسی میں اند اور انڈیا اور اس کی مختلف صورتیں ہو کر پوری دنیا میں مشہور ہوگیا اور خیبر سے آنے والی قوموں نے اس کا نام "ہنداستھان" رکھا جو فارسی تلفظ میں "ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی تحفۃ الکرام کے مقدمہ میں سندھ کے نام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملک سندھ کا یہ نام حام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے ہند کے بھائی "سند" کے نام پر مشہور ہوا ہے۔ روئے زمین کے ممالک میں سے یہ ۴۳ ویں (تینتالیسویں) ملک کا نام ہے۔

سندھ کی موجودہ حدیں

سندھ کی موجودہ حدود اس طرح ہیں کہ اس کے شمال میں پنجاب اور بلوچستان، شمال مغرب کی طرف کوہِ ہالار بلوچستان سے الگ کرتا ہے۔ مشرق کی طرف جودھپور، بہاولپور اور جیسلمیر، جنوب مشرق میں کچھ کا ریگستان اور جنوب اور جنوب مغرب میں بحیرہ عرب جبکہ مغرب میں کوہ ہالار اور بلوچستان ہیں۔

سندھ کا پھیلاؤ اور شہر

سندھ کا کل رقبہ (۵۴۱۲۳) میل ہے اور اس میں (۳۴۱۷) گاؤں اور شہر آباد ہیں۔ سندھ کے مشہور شہر یہ ہیں۔ کراچی، حیدرآباد، خیرپور، سکھر، روہڑی، ٹھٹھہ، شکارپور، جیکب آباد، سہون، لاڑکانہ، نواب شاہ وغیرہ سندھ کا خطہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصے کو بالائی سندھ اور دوسرے حصے کو زیریں سندھ کہا جاتا ہے۔ سندھ کی علاقائی زبان سندھی ہے۔ سندھی زبان کا رسم الخط عربی سے متشابہ ہے۔ مختلف خطوں کے لہجے الگ الگ ہیں البتہ تلفظ میں شیرینی اور لہجے میں ایک دلکشی موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ہندوستان (سندھ) کی زمین پر اترنا۔

سبحۃ المرجان میں آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے

ہندوستان (سندھ) میں اترے اور یہاں ان پر وحی نازل ہوئی لہذا یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ زمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چونکہ نور محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ، حضرت آدم کی پیشانی میں امانت تھا ، پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی ظہور بھی اس سرزمین پر ہوا ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سندھ سے ربانی خوشبو آتی ہے۔

تاریخی کتب سے یہ روایات ملتی ہیں کہ سندھ کے لوگ سب سے پہلے ایمان لائے ۔ حضرت محمد بن علی ابن طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "ایک ہی دن میں " سندھ اور افریقا " سے دو وفد میرے پاس پہنچے ۔ جنہوں نے بہ رضا و خوشی اسلام اور فرمانبرداری قبول کی" ۔ سندھ کے متعلق ایک اور بھی روایت ملتی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے اپنے پانچ اصحاب کو اپنا خط دے کر سندھ کی طرف بھیجا ۔ جب یہ سندھ کے شہر نیرون کوٹ (حیدر آباد) میں پہنچے تو وہاں کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا ۔ اس کے بعد دو اصحابی ایک شخص سندھی نامی کو ساتھ لیکر سندھ سے واپس لوٹے اور ان میں سے تین اصحاب سندھ میں رہ گئے ۔ (ان کی تبلیغ سے) بہت سے سندھی افراد نے اسلام قبول کیا اور یہی حضرات سندھی لوگوں کو اسلام کے احکامات بتاتے رہے اور وہیں پر سندھ میں وفات پاگئے ۔ جن کی قبریں ابھی تک موجود ہیں ۔

ایک اور روایت سبحتہ المرجان میں علامہ سیوطی ، ابن جریر ، حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے ملتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ "سب سے پاکیزہ اور خوشبودار مقام سندھ ہے ۔ کیونکہ یہاں پر حضرت آدم اترے اور یہاں کے درختوں میں جنت کی خوشبو ہے " ۔ اس کے ساتھ ساتھ شیخ علی رومی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ "سندھ وہ سرزمین ہے جہاں سب سے پہلے حکمت کے چشمے پھوٹے" ۔ ان روایات کی سند پر چاہے کتنا ہی اعتراض کیا جائے لیکن ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ کی عظمت پہلے زمانے کے لوگوں کی نظر میں کس قدر اہم تھی ۔

عرب کے تجار نے سندھ کے کناروں پر بسنے والے لوگوں کو اسلام کے ابتدائی

خدوخال سے آشنا کیا۔

سندھ کے لوگ وقتاً فوقتاً عرب پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کو سمجھنے کی سعی کرتے رہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی درس گاہ سے بھی کسی پنڈت نے فیض حاصل کیا۔ ہوسکتاہے انفرادی طور پر وہ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوا ہو۔

سندھ میں شیعت کی ابتدا

مسلمان جس ملک میں فاتح وفد اور سکونت کی حیثیت سے داخل ہوئے تو شیعیتؑ ان کے دوش بدوش اس ملک میں داخل ہوتی رہی۔ کیونکہ فوج، وفود اور تاجروں میں شیعہ بھی ہوتے تھے، گو کم تعداد میں ان کا وجود ہوتا تھا۔ سندھ میں سمندر کے کنارے کراچی کے قریب دیبل شہر مشہور تھا جہاں پر عرب سوداگروں کے بحری جہاز لنگر انداز ہوتے تھے عرب اور ہند کے تجارتی رابطے تھے اور عرب تاجر ہندوستان سے خوشبو جات، میوہ جات، گرم مصالحہ جات اور دوسری پیداوار لے کر جاتے تھے اور ملک عرب میں بیچتے تھے علاوہ ازیں وہاں سے یہ تجارتی سامان یورپی ممالک میں بھی پہنچتا تھا۔

سندھ میں شیعہ مذہب کی تبلیغ اور اس کے رابطے کی ایک طویل داستان ہے۔ مختصر یہ کہ سندھ کی سرزمین پر شیعیت کا تعارف جناب امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے دورِ خلافت میں ہوا۔

حضرت علی علیہ السلام نے مکران سے سندھ اور قیقان میں فوجی کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کے دور میں سندھ پر ایک مستقل اور سخت حملہ کیا گیا اور یہی پہلا حملہ تھا جو خشکی کے راستے سے سرزمین سندھ پر ہوا۔ یہ حملہ اس طریقہ سے ہوا کہ تغار بن صغیر ہندوستان کی حدوں پر فوج کشی کرنے کیلئے مقرر کیا گیا۔ ان کے ہمراہ نامور اور شریف عربوں کی ایک منتخب جماعت تھی جس میں حارث بن مرہ عبدی بھی تھے۔ حارث نہایت ہی تجربہ کار اور سربرآوردہ شخص تھے۔ یہ لشکر مکران سے گذر کر فتح حاصل کرتا ہوا کوہ پایہ کیکاکان تک جا کر پہنچا۔ یہ پہاڑ سندھ کی سرحد کے پاس سیستان اور ملتان کے درمیان واقع ہے۔ یہاں بیس

ہزار پہاڑی افراد (بلوچ) جنگ کیلئے اس لشکر کے سدراہ ہوئے ۔ لیکن لشکرِ اسلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی ۔ ان نعروں کی گونج سے بعض لوگوں نے آکر امان طلب کی اور باقی لوگ بھاگ گئے ۔ اس وقت سے آج تک ان پہاڑوں میں تکبیروں کی آوازیں سننے میں آتی ہیں ۔ اسی جنگ میں کثرت سے لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے ۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کے دوَر خلافت میں سندھ کی حدوں تک اسلام کا پھیلنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ۔ اسی جنگ میں کثرت سے کنیزیں اور غلام اسیر ہوئے جو بعد میں مسلمان ہو گئے ۔ حارث نے مال غنیمت کے ساتھ ہندو اسیروں اور ایک ہزار کنیزوں کو کوفے کی طرف روانہ کیا ۔ مرد قیدیوں کو رہا کیا گیا اور کنیزیں تقسیم کی گئیں ۔ ان قیدیوں نے وطن واپس آکر آلِ رسول کی خلقِ عظیم کا ایسا مرقع پیش کیا کہ برہمنیت کے ستائے ہوئے انسان خود بخود اسلام کے شیدائی ہوگئے اور ان میں سے کچھ حارث بن مرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے ۔ اور اس طرح حارث عبدی نے سندھ پر اپنی حکومت قائم کی ۔ حالانکہ جناب امیر علیہ السلام کو مسلمانوں نے دوسرے ممالک میں اشاعت اسلام کی مہلت نہ دی ورنہ آج اسلامی سلطنتیں اور بھی کثیر تعداد میں ہوتیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کامل ابن اثیر میں سندھ کی طرف توجہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۔

" وفیها توجه ما الحرث بن مرة العبدی الیٰ بلاد السند غازیاً متطوعاً بامر امیرالمومنین علی فغنیم واصاب غنائم وسبیاً کثیراً وقسم فی یوم واحد الف راس و بقی غازیاً الیٰ ان قتل بارض القیقان هُو وَ مَن مَعَه "

" جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے حارث بن مرۃ العبدی نے ملک سندھ کا قصد کیا اور جہاد کر کے کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا اور بہت سے کفار گرفتار کئے ۔ جس کی وجہ سے ایک دن مین ایک ہزار کنیزیں اور غلام مال غنیمت میں تقسیم کئے گئے اور ایک مدت تک حارث بن مرہ وہاں پر مصروفِ جہاد رہے اس وقت تک کہ وہ اور ان کے ساتھی قیقان کی زمین پر شہید ہوگئے "۔

حارث بن مرہ کے متعلق مولانا عبدالحلیم شررؔ تاریخ سندھ میں لکھتے ہیں کہ "اس کامیابی نے کچھ ایسا حوصلہ بڑھایا کہ حارث بن مرہ عبدی نے دوبارہ حملہ کیا اور اس حملے میں قسمت انہیں واپس جانے کیلئے نہیں بلکہ سندھ کی خاک میں دفن ہونے کیلئے لے آئی۔ دوسرے حملے میں جب وہ قیقان پر حملہ آور ہوئے تو اسے خبر ملی کہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جامِ شہادت نوش فرمایا"۔

اس واقعہ نے حارث کو افسردہ کردیا سن ۴۲ھ میں اچانک ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ حارث بن مرہ خراسان کی سرحد کے قریب سخت معرکہ آرائی میں اپنے رفیقوں کے ساتھ قیقان میں شہید ہوئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ سن ۳۸ ھ اور ۳۹ ھ کے درمیان حضرت علی علیہ السلام کے فوجی افسران نے اپنے امام کا تذکرہ کیا۔ اس طرح علوی دور میں قلات، مکران، کابل اور سندھ میں آپ کے شیعہ پہنچے افغانستان کے بعض علاقوں میں آپ کے طرفدار اور خاندان آلِ سنسب حکمران ہوئے اور ۳۹ ھ کی ابتدا میں سندھ حضرت علی السلام کے زیرِ اقتدار آچکا تھا۔

سندھ میں یہ بھی بات مشہور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت ۳۸ ھ میں سندھ کے حق پسند معززین کا ایک گروہ تحقیقِ احوالِ اسلام کی خاطر آپ کی خدمتِ اقدس میں کوفہ پہنچا اور گفت و شنید کے بعد آپکے دستِ مبارک پر اسلام لے آیا۔ ان میں سے بعض لوگ سندھ واپس آئے اور نشانی کے طور پر اپنے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان اور عَلَم (جو آپ نے انہیں عطا کیا تھا) لائے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کے لوگوں کی حضرت علی علیہ السلام سے اس قدر عقیدت مندی ہے کہ آج بھی آپ کے عطا کردہ عَلَم کی یادگار سندھ کے چپہ چپہ پر نظر آتی ہے۔

معتبر کتبِ تواریخ سے ثابت ہوا ہے کہ سندھ میں پہلا مُحبِ اہلبیت شیعہ مسلمان جس نے سندھ فتح کیا وہ حضرت علی علیہ السلام کے بھیجے ہوئے لشکر (۳۹ ھ) کا جانباز سردار حارث بن مرۃ العبدی تھا جس نے سندھ کو اسلامی فتوحات میں شامل کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں پانچ صحابی اور تابعی برصغیر میں پہنچے۔

(۱) خریت بن راشد ناجی سامی — مکران میں
(۲) عبداللہ بن سوید تمیمی شقری — سندھ میں
(۳) کلیب بن وائل صحابی یا تابعی — ہند میں
(۴) تاعر بن وعر — سندھ میں
(۵) حارث بن مرۃ تابعی — سندھ میں

حضرت علیؑ کا آلِ شنسب کو علم عطا فرما کر سندھ روانہ کرنا

افغانون میں دو قومیں مشہور ہیں (۱) قیسی جو قیص بن عیص (عبدالرشید) کی اولاد ہے اور (۲) شنبی جو شنسب بن حریق (بلاد غوری کے رئیس) کی اولاد ہے۔ عبدالرشید، جناب رسول خدا کے زمانے میں مدینہ منورہ جاکر، مسلمان ہوا اور افغانستان واپس آنے کے بعد اس کے قبیلے والے بھی مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلعم نے اسے "امیر" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ جنگِ خیبر میں وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور شنسب بن حریق نے حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا شنسب سے متعلق اس طرح کا واقعہ ملتا ہے۔

" شنسب جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے دور خلافت میں تاجروں سے شہرت سنکر کوفے میں آیا اور آپ کے دست حق پرست پر ایمان لے آیا اور رشد و ہدایت حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ جناب امیر المومنین کا ایک لکھا ہوا عہد نامہ اور آپکے دست مبارک سے عطا کردہ علَم لے کر سندھ میں آیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے اسے اپنی طرف سے ان اطراف کا حاکم مقرر کرکے روانہ کیا تھا۔ سندھ پہنچکر اس نے اپنے تخت پر جناب امیر علیہ السلام کا عطا کردہ علَم نصب کیا اور ایک مسجد تعمیر کروائی جس میں وہ عہد نامہ آویزاں کیا۔ سندھ میں یہ پہلا علَم تھا جس کو جناب امیر المومنین نے اپنے دستِ مبارک سے آراستہ کرکے سندھ کے والی شنسب کے حوالے کیا تھا اس طرح سندھ پر شنسب نے عظمت اہلبیت کا پرچم لہرا دیا"۔

شنسب کی وفات کے بعد جو بھی اس خاندان میں حکمران ہوا وہ اس مقدس عہد نامہ کا پابند رہا اور وہ علَم جو حضرت علیؑ کا عطا کردہ تھا اس کے سایہ میں حضرت علی علیہ السلام کی پیروی کا حلف اٹھاتا تھا۔حضرت علی علیہ السلام کا شنسب کو عطا کیا ہوا فرمان مخصوص خاندانوں کی دستار بندی پر ہندوستان کے بعض ریاستوں میں سربراہ مقرر ہونے کے موقع پر آج بھی پڑھا جاتا ہے اصل فرمان ہندوستان کے کسی ہندو راجا کے خزانے میں محفوظ ہے۔ مشہور مورخ علامہ ابو عمر منہاج الدین زجانی شنسب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

درعہد ولایت مہد جناب امیر المومنین علی بکوفه آمد و بردست حق پرست وی ایمان آوردہ چندی رشد و هدایت یافت واز امیر المومنین عهدی نوشته ولوائ ازدست او گرفتـــه به هندوستاں آمد۔ اکنون ہم هـــرکه از دودمان و خاندانش برتخت حکومت نشتی آن عهدنامه راکه امیر المومنین بدست خود نوشته دادہ از خزانه شاهی برون آوردہ بـــه بادشـــاہ داد ندی و او قبول کـــردی ولوائ امیر المومنین را در دست خود گرفته بلند کردی و بعد انجام این رسوم وی بادشاہ شدی ہم ال شنسب ازجمله موالیان امیر و محبان وی اندو اعتقاد ایشان بیسار راسخ و مستحکم بودی رحمهم اللہ"

اس خاندان کے افراد اس قدر محب اہلبیتؑ تھے کہ بنی امیّہ کے دور حکومت میں جب تمام اسلامی ممالک میں اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جاتی تھی تو اس وقت یہ واحد شیعہ حکومت تھی جس نے اس اموی بدعت کو ٹھکرا دیا اور اہل سندھ اس بدترین بدعت سے دور رہ کر اسلامی دنیا مین باعث افتخار بنے۔

طبقات ناصری کے مصنف اور فخر الدین مبارک جیسے معروف مورخین کے ساتھ تاریخ فرشتہ کے مورخ محمد قاسم فرشتہ بھی رقم طراز ہیں کہ "حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں

غور کے رہنے والے مسلمان ہوچکے تھے اور بنی امیہ کے زمانے میں جب تمام اسلامی ممالک میں منابر اور مساجد سے حضرت علی علیہ السلام کو نامناسب الفاظ سے یاد کرنے کی آوازیں آتیں تھیں تو غور ہی وہ قابلِ فخر مقام ہے جہاں کے رہنے والے اہلبیت رسالت کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے رہے"۔

ایک اور مستند روایت کے مطابق جب اسلام کی تبلیغ کے اثرات سندھ میں ہوئے تو سندھ کے لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی آپ نے ان نو مسلم سندھ کے باشندوں سے تبلیغ کے لئے ارشاد فرمایا تو انہوں نے گزارش کی کہ وہ تعداد میں کم ہیں جبکہ غیر مسلم کثیر تعداد میں ہیں اور صاحب حیثیت بھی ہیں لہذا وہ سدراہ ہونگے۔ جناب امام علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آپ تبلیغ کا حق ادا کریں. تو انہوں نے کہا ہمیں بچائے گا کون؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ علم لے جاؤ اور تبلیغ کرو۔ جب وہ آمادۂ فساد ہوں تو تم اپنا دفاع کرتے ہوئے اظہارِ حق کرتے رہنا لیکن جب وہ تم پر حاوی ہو جائیں تو تم میں سے ایک کسی قریبی بلند جگہ پر چڑھ کر کعبہ کی طرف رخ کرکے علم بلند کرکے یاعلیؑ مدد کہے ہم خود ہی مدد کے لئے آئیں گے"۔ وہی ہوا جو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ پھر جیسے ہی کعبہ کی طرف رخ کرکے علم بلند کر کے یا علی مدد کہا آناً فاناً مظہرالعجائب علی ابن ابوطالب علیہ السلام ظہور پذیر ہوئے کفار نے دیکھا اور یقین کر لیا کہ جو پلک جھپک میں یثرب سے سندھ آکر اپنے ماننے والوں کی مدد کرتا ہے یقیناً وہ جس دین کی دعوت دے رہا ہے وہ دین سچا ہے لہذا سب کے سب ایمان لائے اس وقت سے سندھ کا روایتی سلام مصافحہ کے وقت یاعلیؑ مدد قرار پایا اور آج تک یہ روایت برقرار ہے۔

سندھ میں عموماً اور حیدرآباد سندھ میں خصوصاً جگہ جگہ جو علَم نظر آتے ہیں وہ اس یاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تازہ کرتے رہتے ہیں۔

سید توکل حسین زیدی نوازپوری نے مرزا فتح علی بیگ سے یہ روایت اس وقت بیان کی جب ۱۳۹۷ ھ میں مرزا صاحب سید صاحب موصوف کے دولت کدہ پر عشرۂ محرم کی

مجالس سے خطاب فرماتے تھے ۔ سید صاحب کے فرزند ارجمند مولانا سید علی نظیر زیدی سید العلما مولانا سید ثمر حسن زیدی اعلی اللہ مقامہ کے شاگردِ رشید ہیں اور خطابت میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا ایک آزاد سندھی کنیز خولہ سے عقد

یہ بھی اعزاز ساکنانِ سندھ کو حاصل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بنی حنفیہ خاندان کی آزاد سندھی کنیز سے عقد کیا جو آپ کے حصے میں مالِ غنیمت میں آئی ۔ اس معظمہ کا نام خولہ تھا ان کے بطن سے جناب امیرؑ کے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جنکا نام آپ نے محمد حنفیہ رکھا آپ بڑے پہلوان اور عبادت گزار انسان تھے ۔ کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کے بعد حضرت محمد حنفیہ نے بنی امیہ کے خلاف جہاد کیا۔ آپ کی بہادری اور شمشیر زنی نے دنیا میں علوی شجاعت کی یاد تازہ کردی۔

زط (جت) قوم کی حضرت علیؑ سے عقیدت۔

مولانا سید سبط الحسن ہنسوی کی تحقیق کے مطابق کوفے میں بعض برہمنوں اور جتوں کا سراغ ملتا ہے ۔ یہ حضرت علیؑ کے دور میں ہندوستان سے کوفہ پہنچے ۔ ان میں سے بہت سے مسلمان ہوئے اور بہت سے اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے ۔ جنگِ قادسیہ اور جنگ نہاوند کے درمیانی زمانے میں اہواز کا ایرانی گورنر یزدجرد جو مداین کی طرف آیا تھا اس نے ایک خود مختار حکومت قائم کی جس میں ایرانیوں کے علاوہ جت قوم کے جوانوں کو بھی اپنی فوج میں بھرتی کیا۔

سندھی جت قوم کی ایک نئی آبادی عراق میں تھی اور اس قوم کے تمام افراد حضرت علیؑ کے شیدائی تھے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے جب بصرہ فتح کیا تو اسی جت قوم کے ایک دستے کو بصرہ کے خزانے کا محافظ بنایا ۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے عالم اور صالح پیدا ہوئے ۔ جت قوم کا تذکرہ تاریخوں میں بار بار آیا ہے اسی قوم کے افراد نے حضرت علیؑ کی محبت میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ حضرت علیؑ نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا ۔ چنانچہ رجال کشی کے مصنف لکھتے ہیں کہ "ان جاٹوں میں سے کچھ لوگ (سبعون رجلاً من الزط) نے اپنے آقا و

مولیٰ حضرت علیؑ میں کچھ ایسے کمالات دیکھے کہ جوشِ محبت میں اپنے آپ کو حدغلو تک پہنچا دیا۔ جن سے حضرت علیؑ نے بیزاری کا اظہار فرمایا"۔

علی حسین رضوی، جسٹس امیر علی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "جتوں کے قیام کی مدت کافی عرصہ تک معلوم ہوتی ہے کیونکہ کربلا کی جنگ کے بعد دجلہ کے کنارے پر سندھی جت قوم کے بسنے کا سراغ ملتا ہے"۔

اس قوم کے افراد کی وطن واپسی ایک عرصے کے بعد ہوئی جب یہ واپس وطن لوٹے تو ان کی دلوں میں محبتِ اہلبیت بس چکی تھی۔

جت اصل میں زط کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو عربی زبان میں اونٹ چلانے والے کو کہتے ہیں۔ جت سندھ کے تقریباً ہر حصے میں موجود ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کا سندھ کو یاد کرنا۔

اسلام جب یزید جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں پامال ہورہا تھا اور اسلام کے حقیقی نقش و نگار مٹاکر انہیں بیعت کی صورت میں امام حسینؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو امام حسینؑ نے صاف انکار کردیا اور وہ بھی ان الفاظ میں کہ "میں حسینؑ ابن علی ابن ابی طالب ہوں ایک فاسق و فاجر کی بیعت کرنا میرے لئے ناممکن ہے" اسی لئے بقائے اسلام کی خاطر فرزندِ رسول وطن کو چھوڑنے پر تیار ہوئے اور مدینے سے مکہ اور مکہ میں حُرمتِ کعبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حج کو عمرہ میں بدل کر عراق کا رخ کیا۔ حسینی قافلہ جب منزلِ ثعلبیہ سے آگے بڑھا تو یزید کی طرف سے حُر ایک فوجی دستے کے ساتھ آکر امام حسینؑ کے سد راہ ہوئے۔ امام حسینؑ نے اس موقع پر فرمایا کہ "اگر آپ کو میرا عراق جانا پسند نہیں ہے تو پھر مجھے سندھ کی طرف جانے دیا جائے"۔ ایسے نازک وقت میں بھی سندھ کو یاد کرنا یقیناً وادئ سندھ کے بسنے والوں کے دلوں میں بسی ہوئی محبتِ اہلبیت کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا سندھ سے وبا کو دفع کرنا۔

سندھ کے مایہ ناز مرثیہ گوشاعر اور آخری تاجدار سندھ میر نصیر خان تالپور کے فرزند

میر حسن علی خان ٹالپر نے یکم ذیقعد جمعرات کو خواب میں دیکھا کہ سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ اپنے پدرِ بزرگوار مولائے متقیان حضرت علیؑ سے سندھی زبان میں سفارش کر رہے ہیں کہ "سندھ سے وبائی مرض کو دفع فرمائیے"۔ یہ حقیقت میر صاحب نے اپنی ایک طویل سندھی زبان میں تصنیف کردہ منقبت میں بیان کی ہے۔ جس کا ایک بند ملاحظہ کیجئے۔

وری تجدید مطلع کر ای شاعر
ای مداح نبی و آل اطہر
ڈٹی جو خواب کر ھن ھند سو ظاہر
بدی تین مومنین خوشنود خاطر
به روح حضرت زہرا و حیدر
وبا کی سنڌ کاں باھر ذکی کر

ایک دوسری تاریخی منقبت سندھی زبان میں ہے اور یہ بھی ایک وبا سے نجات کیلئے میر صاحب نے تخلیق کیا ہے جو بمبئی سے تباہی مچاتی ہوئی کراچی پہنچی اور کراچی کے لوگوں کو تہس نہس کر دیا یہ بند قابل غور ہے۔

ھن مرض مھلک جو پھرین بمبئی م تیو نمود
پوء کراچی آیو ان ھند جو کدئین جد ھست بود
جد کراچی شھر جو یکسر چائین تارپود
تد چدی ان ھند کی تیو اچی ان جو ورود
موسی بن جعفر جی در تی ائون اچی تیس داد خواہ
موسی بن جعفر جی دروازہ سوا بی راہ ناہ

ایران کے بادشاہ یزدجرد کی سندھی زوجہ

ایران اور سندھ کے تعلقات کے متعلق سندھی زبان کے مؤرخ مولائی شیدائی اپنے کتاب تاریخ " تمدن سندھ " میں ڈاکٹر اسپینگل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ایرانیوں کے ہندوستان سے تعلقات تین ہزار برس سے ہیں ۔ مسلمان اور مغربی مورخین کا بیان ہے کہ "ایرانیوں نے ہندوستان پر حملے کئے تھے اور ہندو راجاؤں سے ان کی رشتہ داری تھی ۔ ایرانیوں نے سپت سندھ کو ہسپت ہند کہا اور " سندھ "کو " ہند " کہا یہی نام انکے لہجے کی وجہ سے پورے برصغیر ہندوستان کے لیے پڑگیا" ۔

ایرانیوں کے سندھ اور ہندوستان کے سکونت پذیروں سے قدیمی تعلقات تھے جن کی دلیلیں خصوصاً ہندوؤں کی دھرمی کتاب "رگ وید" اور پارسیوں کی قدیم کتاب "ژنداوستا" سے ملتی ہیں۔ علما کی آراء ہے کہ "ایرانی پارسیوں کے آباؤ اجداد کاہندوستان کے باشندوں سے براہ راست میل جول ہے" ۔ اسی سلسلے میں سندھی مؤرخ بھیرومل مہرچندؔ نے لکھا ہے کہ "پارسیوں کے آباؤ اجداد نج آریہ تھے اور یہ اصل میں سپت سندھو کے باشندے تھے"۔

ایرانیوں نے سندھ پر حملے کیے اور سندھ کو ایرانی شنشاہیت کے ماتحت ایک صوبہ بنایا ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران نے سندھ پر قبضہ کرکے اس کو چھٹی صدی ق۔ م کے پہلے چوتھائی میں ایران سے ملا دیا ۔چوتھی صدی عیسوی میں ساسانی خاندان کے حکمرانوں کے مغربی ہند کے حکمرانوں سے دوستانہ تعلقات رہے ۔ نوشیروان عادل ۔ (۵۳۱ ۔ ۵۷۹ ء) اور اسکے پوتے پرویز (۵۹۰ ۔ ۶۲۰ ء) کے جنوبی ہند اور سندھ کے حکمرانوں سے عہد نامے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو تحائف بھیجا کرتے تھے ۔

نوشیروان عادل ساسانیوں میں بڑے قانوندان اور عادل حکمران گزرے ہیں یہ جناب رسالتمآب صلعم کی ولادت باسعادت کے زمانے میں ایران کے حاکم تھے ۔ ان کا شاہی خطاب " بادشاہ ایران و ہند تھا " اور پایہ تخت مدائن تھا ۔

نوشیروان عادل کسریٰ کے پڑپوتے اور ایران کے بادشاہ یزدجرد بن شہریار شیرویہ ابن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل کی زوجہ ایک سندھی خاتون تھی جس کے بطن سے بیبی شہر بانو تولد ہوئیں ، جو بعد میں حضرت امام حسینؑ کے عقد میں آئیں اور حضرت امام زین العابدینؑ کی والد ماجدہ تھیں ۔

مرحوم کریم بخش نظامانی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں کہ "سندھ اور ایران کے تعلقات

بہرام گور بادشاہ ایران کے زمانے سے ہی قائم رہے ہیں" جس کا تذکرہ فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں اس طرح کیا ہے۔

مگر نامور شنگل از ہندواں
که از داد پچیدہ دارائے دوران ؟
تو شاہی و شنگل نگھبان ہند
چراباد خواہی زچمن و زسند

تاریخ ایران میں اعثم کوفی لکھتے ہیں کہ ہند اور سندھ کے بادشاہ شنگل کے ایران کے بادشاہ بہرام گور سے گہرے مراسم تھے، جو نوشیروان عادل کے دور میں بھی قائم رہے اسی زمانے میں ہندو سندھ کی مشہور کتاب "کلیلہ و دمنہ" کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا اور عرب و عجم کے درمیان جنگ و جدل میں بھی سندھ نے ہمیشہ ساتھ دیا تھا جس میں کاظمہ بلہ۔ قادسیہ۔ جلولاء اور فتح مدائن قابل ذکر ہیں"۔

دوستانہ تعلقات کے پیشِ نظر ایران کے حکمرانوں کا اکثر سندھ آکر سیرو شکار سے لطف اندوز ہونا پرانی روایات میں ملتا ہے۔ اسی طرح ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ یزد گرد سندھ کے مہاراجہ رائے سہاسی اول کے دور میں سندھ کے راجا "سیتہ" کی دعوت پر ان کے مہمان ہوئے۔ اسے سندھ کے سر سبز و شاداب علاقوں اور سندھ کی شکار گاہوں اور تفریح گاہوں میں شکار کرایا گیا۔ اسی سیرو تفریح میں ماتلی (موجودہ ضلع بدین) کے دریائے رین کے سیر کرانے کا پروگرام بھی تھا۔ بادشاہ کی اسی علاقے کے پہلوانوں اور فوجی سرداروں سے بھی ملاقات کروائی گئی۔ اسی سفر کے دوران یزد گرد نے ماتلی کے قریب شادی بھی کی اور بادشاہ کی جس رانی کے ساتھ شادی ہوئی اس کا نام ماہ طلعت تھا"۔

کریم بخش نظامانی صاحب اسی پس منظر کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اسی رانی ماہ طلعت بیگم کے شکم سے یزد گرد کو دو بیٹیاں ہوئیں جن کے نام کز بانو اور شہر بانو رکھے گئے، جو بعد میں مدائن کی فتح میں گرفتار ہوکر حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئیں اور یہ دونوں شہزادیاں بعد میں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں آئیں"۔

علامہ زہری اپنی کتاب مراۃ الانساب (ص ۱۰ تا ۳۵۱) میں لکھتے ہیں کہ "یزدگرد ملک فارس کے آخری حکمران تھے حضرت عمر کے عہد خلافت میں مدائن فتح ہوا اور یہ دونوں شہزادیاں گرفتار ہو کر مدینہ آئیں حضرت سلمان فارسی کے صلاح و مشورہ پر ان دونوں شہزادیوں کا عقد حضرت علیؑ کے دونوں بیٹوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے ہوا۔ بی بی شہر بانو کا اصل نام سلافہ اور لقب شہر بانو تھا"۔

حضرت امام حسینؑ کی ایک سندھی کنیز سلافہ

امام حسینؑ کی ایک سندھی کنیز سلافہ یا غزالہ اور عفیفہ نامی تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام اسی سندھی خاتون کو نہایت احترام سے "یا امُ" کہکر متوجہ کرتے تھے۔ جلاء العینین فی سیرۃ علی ابن الحسین کے مصنف سید مظہر حسن موسوی لکھتے ہیں کہ "حضرت امام زین العابدین کی جس کنیز نے تربیت کی تھی آپ انہیں اماں" کہکر بلاتے تھے یہ سندھی خاتون کربلا کے میدان میں بھی بیمار امام زین العابدین کی تیمارداری میں ہمہ وقت مصروف رہیں اور مدینے میں واپس آنے تک آپ کی خدمت گزار رہیں"۔ واقعہ کربلا کے بعد جب امام زین العابدین مدینے واپس آئے تو عثمان بن عثمان کی روایت کے مطابق "اس سندھی خاتون کا عقد اپنے والد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کے ایک صحابی سے کروایا۔ اس سندھی خاتون کے ہاں ایک بیٹا عبداللہ نامی تولد ہوا۔ جس کے بعد یہ سندھی معظمہ انتقال کر گئیں۔ حضرتؑ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں اپنے ہاتھوں سے دفن کیا"۔

حضرت امام زین العابدین کی والدہ بھی سندھی خاتون تھی۔

ابن قتیبہ کی کتاب المعارف کے حوالے سے رحیمداد مولائی شیدائی نے بھی "جنت السند" میں لکھا ہے کہ "حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ سندھی خاتون تھی"۔

حضرت امام زین العابدین کی سندھی زوجہ حمیدان خاتون یا خوریہ سندیہ

سندھ سے اہلبیت کے بہت سے روابط ہیں ایک ربط یہ بھی ہے کہ حضرت امام زین العابدین کی ازدواج میں سے ایک سندھی زوجہ بھی تھی جن کا نام حمیدان خاتون یا

حوریہ سندیہ تھا۔ جن کے بطن سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے۔ واقعہ کربلا کے بعد اس معظمہ نے اپنے سندھی خاندان میں عزاداری امام حسینؑ کو فروغ دیا جس کی تائید معارف ابن قتیبہ ص ۹۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۴ء میں بھی ملتی ہے

" واما زید بن علی بن الحسین فکان
یکنی ابا الحسن وامہ سندیہ"

اس معظمہ کی بدولت اہلیان سندھ سے سادات کا رشتہ بہت مضبوط رہا۔

واضح رہے کہ فاطمہؑ بنت امام حسنؑ کا عقد بھی حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوا تھا۔ جن کے بطنِ اشرف سے حضرت امام محمد باقرؑ کی ولادت ہوئی۔ جبکہ حضرت زید شہید حضرت حوریہ سندیہ کے شکمِ مبارک سے ۷۵ ھ میں تولد ہوئے تھے، جو دراصل سندھی باشندہ تھیں۔ اسی بی بی صاحبہ کے متعلق اشرفُ العرب (ص ۲۷۸) کے مصنف تاریخ حسن (ص ۱۳ تا ۳۳) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "مختار بن ابو عبیدہ ثقفی نے انہیں تیس ہزار درہم میں خریدا تھا اور حضرت امام زین العابدینؑ کو ہبہ کر دیا"۔ شیخ مفید فرماتے ہیں کہ "امام محمد باقر کے بعد حضرت زید اپنے تمام بھائیوں میں افضل تھے"۔ حضرت بی بی حوریہ کے متعلق عبداللہ بن حسن کی والدہ محترمہ جناب بی بی فاطمہؑ کا قول ہے کہ "زید کی ماں، غیر کوفی انجان اور ناواقف آنے والی عورتوں میں بہترین عورت تھیں۔ حضرت بی بی حوریہ کے متعلق علامہ، سید مناظر احسن گیلانی بھی لکھتے ہیں کہ "میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے یعنی کہ حضرت زید کی والدہ سندھ کی باشندہ تھی اور جس طرح کہتے ہیں کہ انکی دادی شہر بانو والئی فارس یزدگرد کی بیٹی تھی تو اس کا مطلب گویا یہ ہوا کہ اس میں عربی، قریشی، ہاشمی، فاطمی، علوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایرانی اور سندھ کی صفات بھی موروثی طور پر منتقل ہوئیں شاید ہی زمانے میں اس قسم کی موروثی خصوصیات کسی فرد واحد میں جمع ہوں"۔

عماد الدین ادریس اپنی تصنیف "کنز الاخبار" میں لکھتے ہیں کہ "ایک دن صبح کو حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ رات کو میں نے حضرت رسالتمآبؐ کو خواب میں دیکھا ہے حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بہشت میں لے گئے اور ایک

حور سے میرا عقد کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے علیؑ جب اولاد نرینہ پیدا ہو تو اس کا نام زید رکھنا"۔ جب حضرت زید پیدا ہوئے تو امام علیہ السلام نے ان کا نام زید رکھا اور یہی بطل جلیل حضرت زید تھا جس نے حضرت حوریہ سندیہ کے شکم مبارک سے جنم لیا.

حضرت زید شہید کی زوجہ بھی ایک سندھی خاتون تھی

حضرت زید شہید فرزند امام زین العابدینؑ نے بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک سندھی مستور " ام ولد " سے عقد کیا تھا اور مورخین نے انہیں سندھی عورت لکھا ہے۔ آپ کے بطن پاک سے ایک فرزند ارجمند پیدا ہوئے جنکا نام محمد تھا۔ آج بھی انہی مذکورہ محمد کی اولاد برصغیر ہندو پاک میں کافی تعداد میں موجود ہے۔ جو زیدی سید کہلاتی ہے اور سادات زیدی واسطی جاجینزی/مشہور ہیں۔ زیدی سادات کی سر زمین سندھ سے مادری نسبت مذکورہ حقیقت سے واضح ہوجاتی ہے۔

جناب زید کی شہادت

واقعہ کربلا کے بعد بنی امیہ کے سفاک بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو مضبوط بنانے اور اسلام کو اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے جہاں قرآن مجید کی آیتوں کا اپنی خواہشات کے مطابق تفسیر لکھواتے رہے اور جھوٹی احادیث مشتہر کرواتے رہے وہاں اولاد علیؑ اور محبان آل رسول کو چُن چُن کر قتل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ ایسے سفاکوں میں یوسف بن عمر ثقفی کا نام بہت ہی مشہور ہے۔جن کی شکایت بنی ہاشم کے جلیل القدر فرد حلیف القرآن (قرآن کا ساتھی) حضرت زید حاکم وقت ہشام بن عبدالملک کے پاس کرنے گئے اور داد خواہی کی درخواست کی۔ ہشام نے داد خواہی کے بدلے بڑے غیظ و غضب کا اظہار کیا اور بڑی بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا اور جناب زید کو دربار سے نکلوادیا۔ عراقیوں نے بنی امیہ کی بے دینی ،ظلم و استبداد اور جور اور اسلام کے خلاف سرگرمیوں سے تنگ آکر جناب زیدؑ کو اپنا سردار بناکر ہشام کی حکومت سے علحیدگی کا اظہار کیا۔ چالیس ہزار کوفی حضرت زید کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ہشام کی فوجوں سے زبردست مقابلہ ہوا کوفی

اپنی موروثی عادات کے مطابق غداری کرگئے اور فیصلہ کن جنگ میں حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا آپ نہایت شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے اچانک ایک تیر آپ کی پیشانی پر لگا اور گھوڑے سے زمین پر گر گئے ۔ آپ کا ایک خادم آپ کو میدان جنگ سے اٹھاکر ایک شخص کے گھر لے آیا اور جراح کو بلواکر آپ کا علاج کروایا مگر زخم گہرا تھا جس کی وجہ سے آپ زندہ نہ رہ سکے اور شہادت پا گئے ۔ آپ کے خادموں نے مخفی طور پر قبر کھدواکر آپ کو دفن کردیا اور اس قبر پر پانی جاری کردیا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو ۔ لیکن ہشام کی فوج کے سردار یوسف بن عمر نے تلاش بسیار کے بعد آپ کی قبر تلاش کرلی اور لاشِ مبارک نکلواکر سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیجا اور باقی جسم کو سولی پر چڑھا دیا جو چار سال تک بغیر سر کے سولی پر لٹکتا رہا ۔ اس کے بعد لاش کو جلاکر دریائے فرات میں بہادیا گیا ۔ جب جناب زید کو شہید کرکے سولی پر چڑھا دیا گیا تو ایک شخص نے رات کو خواب دیکھا کہ جس درخت پر حضرت زید کو سولی دی گئی تھی جناب رسول خداؐ اس درخت کے پاس بیٹھکر فرمارہے ہیں کہ " انا اللہ وانا الیہ راجعون افسوس یہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ ظلم کررہے ہیں"۔

زیاد سندھی

حضرت امام زین العابدینؑ کے فرزند حضرت زید شہید کے ساتھ جن لوگوں کو پھانسی دی گئی ان میں ایک مجاہد زیاد سندھی کا بھی نام آتا ہے ۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے سندھی اصحاب

سندھ کے رہنے والے مذہبِ حق قبول کرتے رہے جس میں کچھ خوش نصیب آئمہ معصومین علیہم السلام کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے ۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے حلقۂ درس میں جہاں دوسرے اقوام کے تشنہ لبانِ علم اور حق کے متلاشی مثلاً ابراہیم بلخی ، ابو حنیفہ ، داؤد طائی اور سُفیان ثوری تھے وہاں سندھ کے سندھی طالبانِ علم بھی موجود تھے جن کا تذکرہ ابو جعفر طوسی نے الفہرست میں کیا ہے ۔ "فرج سندھی ، ابان بن محمد سندھی ، خلاد سندھی ، بزاز سندھی ، خزرج طلحہ بن زید سندھی اور صباح بن نصر سندھی حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام کے قابل فخر شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں"۔ یہ وہ علماء تھے جو امام جعفر صادق کی احادیث کے راوی اور آپ کے اصحاب ہیں۔ ان لوگوں نے سندھ سے پنجاب تک اہلبیتؑ کی تعلیمات کی تبلیغ کی اور اپنے بعد شاگردوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی۔ ان کے علاوہ ابو معشر سندھی کو بھی حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ سب سے پہلے بزرگ عالم ہیں جو سندھ سے باہر جاکر شہرہ آفاق ہوئے ان کا اصل نام نجیح بن عبدالرحمان ہے۔ انہیں دوسری صدی ہجری میں سندھ سے جنگی قیدیوں کے ساتھ لایا گیا یہ بہت سے خاندانوں میں غلام کی حیثیت سے رہے۔ ہر جگہ سے علمی چشمے سے سیراب ہوتے رہے اور بالاخر علم حدیث، مغازی اور فقہ میں باکمال بنکر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئے۔ ابو معشر سندھی مسلمان سائنسدان ہیں جن کو حضرت امام جعفر صادق کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ سندھ کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ ابو معشر ہمارے سندھ کا وہ پہلا شخص ہے جو پہلا مسلمان سائنسدان گذرا ہے ان کے بڑے بیٹے ابو عبدالملک محمد بن ابی معشر بھی علم حدیث میں بڑے پایہ کے عالم تھے جنہوں نے ۹۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔

امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں ایک ابو نصر نامی سندھی شخص بھی شہرت رکھتا ہے اس کا پورا نام فتح بن عبداللہ تھا۔ یہ آلِ حَکَم کے غلاموں میں سے تھا۔ آزادی کے بعد حدیث، فقہ اور علم کلام کی تعلیم امام جعفر صادقؑ کے سایہ میں رہ کر حاصل کی اور علم حدیث کی تعلیم امام جعفر صادقؑ کے مشہور شاگرد حسن بن صفیان ثوری سے حاصل کی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں بزاز سندھی اور ابو الفرج سندھی کے بھی اسمائے گرامی ملتے ہیں مگر باوجود تلاش بسیار کے انکا احوالِ زندگی نہیں مل سکا۔ البتہ اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ علوم و فنون کے علاوہ سندھ میں علوم اہلبیت کی اشاعت کے لیے ان سندھی عربوں نے قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ مزید تحقیق سے سندھ کی تاریخ میں ابو العطا سندھی کا بھی نام ملتا ہے اس کا نام افلح بن یسار تھا یہ اپنے باپ کے ساتھ بنو اسد کے ذریعہ زمرۂ غلامی میں کوفے پہنچا۔ ابو العطا سندھی کو ادب اور شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا جس میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔

نصر بن یسار، العطا کا بھائی اور مربی تھا۔ نصر، عباسیوں کے عہد میں منصور کے دربار میں گیا تھا مگر انہیں محمدؐ و آل محمدؐ کا مداح سمجھ کر نکال دیا گیا۔ اس نے منصور کے دور میں وفات پائی۔ یہ لوگ دوسری صدی سے تعلق رکھتے ہیں ان سندھی علماء کرام نے علوم آل محمدؐ سے فیض حاصل کیا اور دوسروں کو بھی مستفید کیا۔

سندھی بن عیسیٰ الھمدانی کوفی، سندھی بن الربیع البغدادی سندھی بن محمد جو سندھ کے ایک قبیلے کے فرد تھے اور مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی، ابراہیم بن سندھی کے لیے گماں ہے کہ ان حضرات کا سندھ سے کچھ نہ کچھ ضرور رابطہ تھا۔

حضرت اما م جعفر صادقؑ کی درس گاہ سے سندھ کے ایک پنڈت نے بھی فیض حاصل کیا۔ ۱۵۴ ھ میں سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ھیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت سنسکرت کی سدھانت لے کر بغداد پہنچا اور خلیفہ منصور کے حکم سے اور دربار کے ایک ریاضی دان ابراھیم فزاری کی مدد سے اس نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ پہلا موقع ہے جب عربوں کو سندھیوں کی قابلیت اور عالی دماغ ہونے کا اندازہ ہوا۔

اس کے بعد منصور اور ہارون رشید نے سندھ سے وید بلوائے جنھوں نے عربوں میں سندھ کی علمیت اور فضیلت کی ساکھ بڑھائی۔ اس کے بعد برامکہ کی سرپرستی میں طب، نجوم، ہیئت، ادب و اخلاق کے کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی زبان میں کروایا۔ جس کی وجہ سے سندھ کی شہرت اور نیک نامی کو چار چاند لگ گئے۔

علامہ رشید الدین ابو محمد بن علی بن شہر آشوب ماژند رانی (متوفی ۵۸۸ ء) منصور کی دربار کا ایک اہم واقعہ اس طرح نقل کرتا ہے۔

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانیقی کے دربار میں تشریف فرماتھے۔ وہاں ایک طبیب ہندی طب کی باتیں کررہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ اگر آپ کچھ پوچھنا چاہیں تو شوق سے پوچھیں آپ نے فرمایا۔ میں کیا پوچھوں مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے (طبیب) اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ سنوں (امام) جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا

چاہیے یعنی حار "گرم" کا علاج "بارو" "سرد" سے۔ تر کا خشک سے۔ خشک کا تر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے۔ یاد رکھ، معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سو دواؤں کی ایک دوا ہے۔ جس چیز کا انسان عادی ہوجاتا ہے۔ اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ (طبیب) بیشک آپ نے جو بیان فرمایا ہے۔ اصلی طب یہی ہے۔ (امام) یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے جو بیان کیا ہے وہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے بلکہ یہ علوم مجھ کو خدا کی طرف سے ملے ہیں۔ اب بتا تو زیادہ علم رکھتا ہے یا میں (طبیب) ہیں۔ (امام) اچھا میں چند سوال کرتا ہوں۔ ان کا جواب دے۔ آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ سر پر بال کیوں ہیں؟ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے؟ پیشانی پر خط اور شکن کیوں ہیں؟ دونوں پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ ناک دونوں آنکھوں کے درمیان کیوں ہے؟ آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں؟ ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟ منہ پر دو ہونٹ کیوں بنائے گئے ہیں؟ سامنے کے دانت تیز اور داڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں دانت لمبے کیوں ہیں؟ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ مردوں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے؟ ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں دل صنوبری شکل کا کیوں ہے؟ گردے کی شکل لوبیے کے دانے کی طرح کیوں ہوتی ہے؟ گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے؟ دونوں پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی کیوں ہوئے؟ (طبیب) میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا (امام) بفضل خدا میں ان سب باتوں کا جواب جانتا ہوں (طبیب) بیان فرمائیے۔

(امام علیہ السلام (۱) سر اگر آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ (۲) بال اس لئے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور بہت سے دماغی ابخرے نکلتے رہیں۔ دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے (۳) پیشانی بالوں سے اس لئے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے۔ (۴) پیشانی میں خطوط اور شکن اس لئے ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے۔ جب شکنوں میں پسینہ جمع ہوتو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے۔ جس طرح زین

پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع ہوجاتا ہے ۔ (۵) پلکیں اس لئے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کہ ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہوکر مردمک چشم کی حفاظت کرسکیں ۔ نیز سونے میں مدد دے سکیں ۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جب انساں زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر رکھ کر سایہ کرلیتا ہے ۔ (۶) ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لئے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے روشنی تقسیم ہوکر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے (۷) آنکھوں کو بادامی شکل کا اس لئے بنایا کہ بوقت ضرورت سلائی کے ذریعہ سے دوا (سرمہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے ۔ اگر آنکھ چوکور یا گول ہوتی تو سلائی کا اس میں پھرنا مشکل ہوتا ۔ دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری رفع نہ ہوتی ۔ (۸) ناک کا سوراخ نیچے کو اس لئے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں اگر اوپر کو ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی بو بھی جلدی نہ پہنچ سکتی ۔ (۹) ہونٹ اس لئے منہ پر لگائے گئے ہیں کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں ۔ وہ رکی رہیں اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے جب چاہے پھینک اور تھوک دے ۔ (۱۰) داڑھی مردوں کو اس لئے دی کہ مرد عورت میں تمیز ہوجائے (۱۱) اگلے دانت اس لئے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکنا سہل ہو اور ڈاڑھ کو چوڑا اس لئے بنایا ہے کہ غذا پیسنا اور چبانا آسان ہو ۔ ان دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لئے بنائے کہ دونوں کے استحکام کے باعث ہوں جس طرح مکان کی مضبوطی کے باعث ستون (کھمبے) ہوتے ہیں ۔ (۱۲) ہتھلیوں پر بال اس لئے نہیں کہ کسی چیز کو چھونے سے اس کی نرمی سختی، گرمی اور سردی وغیرہ آسانی سے معلوم ہوجائے ۔ بالوں کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی ۔ (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لئے نہیں کہ ان چیزوں کا بڑھنا برا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رسان ہے ۔ اگر ان میں جان ہوتی تو تکلیف ہوتی (۱۴) دل صنوبری شکل یعنی سر پتلا اور دم چوڑی (نچلا حصہ) اس لئے ہے کہ ہوا بآسانی پھیپھڑے میں داخل ہوسکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے ۔ تاکہ اس کے بخارات دماغ کی طرف بڑھ کر بیماریاں پیدا نہ کریں (۱۵) پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لئے ہوئے کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس

کو ہوا دیں (۱۶) جگر محدب اس لئے ہوا کہ اچھی طرح معدے کے اوپر جگہ پکڑے اور اپنی گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کرے (۱۷) گردہ لوبیۓ کے دانہ کی شکل کا اس لئے ہوا کہ (منی) یعنی نطفہ انسان کی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے ۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس لئے نہیں جھکتے کہ چلنے میں آسانی ہو ۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی چلتے وقت گر پڑتا ۔ آگے چلنا آسان نہ ہوتا (۱۹) دونوں پیروں کے تلوے بیچ میں سے اس لئے خالی ہیں کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے بآسانی پیر اٹھ سکیں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور پورے بدن کا بوجھ پیروں پر پڑتا ، تو سارے بدن کا بوجھ اٹھانا دشوار ہوجاتا ۔

یہ جوابات سنکر وہ سندھی طبیب حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ آپ نے یہ علم کس سے سیکھا ہے امام نے فرمایا ! اپنے دادا سے انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا اور انہوں نے خدا سے سیکھا ہے پھر اس نے کہا کہ " اشہدان لا الہ الا للّٰہ محمّد رسول اللّٰہ و عبدہ " میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا رسول اور بندہ خاص ہے " انک اعلم اہل زمانہ " اور آپ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم ہیں ۔

سندھ کے لوگوں کا امام جعفرؑ صادق کی خدمات میں تحائف لانا ۔

حضرت امام رضاؑ اپنے والد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن امام موسیٰ کاظمؑ اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں تشریف فرما تھے آپ کے خادم نے عرض کیا کہ کچھ سوار آئے ہیں جو شرف باریابی چاہتے ہیں ۔ حضرت نے امام موسیٰ کاظمؑ کو حکم فرمایا کہ آپ جا کر ملاحظہ فرمائیں ۔ امام موسیٰ کاظمؑ باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ اونٹوں پر کافی صندوقیں رکھی ہوئی ہیں اور کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں ۔ بعد ادائے تسلیمات ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم سندھی ہیں اور ملک سندھ سے آئے ہیں ۔ بحارالانوار میں علامہ مجلسی یہ روایت اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

روی ان ابا صلت الھروی روی عن الرضاؑ قال قال لی ابی موسیٰ

كنت جالساً عند ابی اذ دخل علیه بعض اولیائنا فقال فی الباب ركب كثير يريدون الدخول عليک فقال لی انظرفی الباب فنظرت الی جمال كثيرة صناديق و رجل ركب فرساً فقلت من الرجال قال رجل من السند والهند ـــ الخ

کنوز المعجزات میں یہ روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ابوالصلت ہروی امام علیؑ رضا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میرے والد امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ کی خدمت میں ایک محب داخل ہوا اور عرض کیا کہ دروازے پر بہت سے لوگ موجود ہیں میں نے باہر جا کر بہت سے اونٹوں کو دیکھا جن پر صندوقیں رکھی ہوئیں تھیں اور ایک شخص گھوڑے پر سوار تھا. میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں ؟ اس نے کہا میں سندھ جو کہ ہند میں ہے وہاں کا باشندہ ہوں اور امام جعفر بن محمدؑ سے ملنا چاہتا ہوں۔ یزید بن سلیمان کی سفارش پر حضرت نے انہیں آنے کی اجازت دی وہ سندھی اندر داخل ہوئے اور ایک حبش ان کے آگے آگے تھا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ امام کا بھلا کرے۔ میں ایک سندھی ہوں اور اپنے بادشاہ کی طرف سے مہر شدہ خط لایا ہوں۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھے خط لینے اور اس کو پڑھنے کا حکم فرمایا۔ خط میں یہ عبارت تحریر تھی۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط بادشاہ کی طرف سے جعفر صادقؑ بن محمدؐ کیلئے ہے جو ہر رجس سے پاک ہے۔ اما بعد ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں سے ہدایت دی ہے۔ میں ایک کنیز ہدیہ کے طور پر بھیج رہا ہوں۔ ایسی خوبصورت کنیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کو میں زیورات، جواہرات اور خوشبو کے ساتھ بھیج رہا ہوں "

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ہدیہ قبول کیا لیکن وہ کنیز واپس کر دی۔ وہ سندھی، بادشاہ کے پاس پہنچا ایک مہینے کے بعد میرے والد کو بادشاہ نے دوسرا خط لکھ کر بھیجا جس میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر تھی۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم سندھ کے بادشاہ کا خط امام جعفر صادقؑ بن محمدؐ کی خدمت میں

روانہ کیا جاتا ہے ۔ جو امام ہیں ۔ اما بعد ! میں نے آپ کی خدمت میں ایک کنیز بھیجی تھی آپ نے دوسری اشیاء کو تو قبول فرمایا جس کی کوئی قیمت بھی نہیں تھی لیکن کنیز واپس بھیج دی ۔ یہ بات میرے دل میں کھٹکی اور میں سمجھ گیا کہ انبیاء اور اولاد انبیاء میں فراست اور دانائی موجود ہوتی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔ محمدؐ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں ۔ میں اس خط کے پیچھے خود حضرتؑ کی خدمت میں نہایت تھوڑی مدت میں حاضر ہورہا ہوں ۔ امام موسی کاظمؑ کا بیان ہے کہ سندھ کا بادشاہ میرے والد کے پاس آیا اور اسلام لے آیا اور اچھی طرح اسلام پر کاربند رہا ۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سندھ میں اسلام حضرت علی علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام کے دور میں بھی تھا ۔ یہ کہا جاتا ہے کہ محمدؐ بن قاسم سندھ میں اسلام لے کر آئے بالکل غلط ہے ۔

عرب کا مشہور شاعر فرزدق اور سندھ

فرزدق کی کنیت ابوفراس اور لقب فرزدق تھا ۔ اس کا اصل نام فزردق بن غالب بن صعصعہ التمیمی المجاشی تھا ۔ اس کی عمر ۱۰۰ سال یا ۱۳۰ سال بتائی جاتی ہے ۔ یہ حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ فرزدق باوجود شاعر، عالم اور فقیہہ کے ایک خاندانی شخص تھا ۔ ان کے والد بھی بڑے اہل کرم اور دولتمند تھے ایک مرتبہ خاندانِ بنی امیہ کا خلیفہ ہشام بن عبدالملک (جو ۱۰۵ ھ سے ۱۲۵ ھ تک حاکم وقت رہا) اپنی شہزادگی کے زمانے میں حج کرنے گیا اور خانۂ کعبہ کا طواف کر کے یہ چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر حاجیوں کے ہجوم کی وجہ سے وہاں پہنچ نہ سکا اور مجبور ہو کر ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اسی دوران حضرت امام زین العابدین تشریف فرما ہوئے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے غرض سے بڑھے تو لوگ ہٹکر دور ہوگئے اور راستہ صاف کر کے کھڑے ہوگئے اور حضرت نے اطمینان سے بوسہ دیا ۔ ہشام کے ساتھ جو لوگ تھے انہوں نے یہ حال دیکھ کر ہشام سے پوچھا کہ یہ عظمت والا شخص کون ہے جس کی ہیبت اور جلالت سے تمام حاجی منتشر ہوگئے ہیں ۔ ہشام تو واقف تھا مگر اس خوف سے کہ مبادا حضرت کا اثر لوگوں پر پڑے ، بس یہ کہہ دیا کہ میں اس شخص کو نہیں

جانتا ۔ اتفاقاً فرزدق شاعر وہاں موجود تھا اور اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکا اور مجمع کے سامنے ایک فی البدیہ قصیدہ حضرت کی شان میں پڑھا جس کا مطلع یہ ہے ۔

هذ الذی تعرف البطیحا وطبة

والبیت یعرفه والحل و الحرم

هذا ابن خیر علبلداللّٰہ کلهم

هذا التقی النقی الطاهر العلم

هذا الذی احمد مختار والدہ

صلی علیه اللهی ماجریٰ القلم

هذا ابن سیدہ النسواں فاطمه

و ابن الوصی الذی فی سیفه نقم

من جدہ و ان فضل الانبیاء له

و فضل امته و انت لهلا الامر

ہشام ، فرزدق کا یہ کلام سن کر بگڑ گیا اور کہا کہ تو نے ہماری شان میں تو کبھی بھی اس طرح کا قصیدہ نہیں کہا جیسا علیؑ بن الحسینؑ کی مدح میں کہا ہے فرزدق نے کہا اے امیر تیرے نانا اگر ایسے ہوتے ، تیری ماں اور باپ کا وہ رتبہ ہوتا جو علیؑ و فاطمہؑ کو حاصل ہے تو میں تیری بھی ایسی ہی صفت بیان کرتا ۔ یہ سن کر ہشام نے فرزدق کا مقرر کردہ وظیفہ بند کر دیا اور عسفان میں انہیں قید کردیا ۔ حضرت کو جب یہ خبر ہوئی تو حضرت نے فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھیجے ۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ قصیدہ میں نے کسی صلہ یا لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ حق مودت ادا کیا ہے ۔ جس کے جواب میں حضرت نے یہ کہلوایا کہ ہم اہلبیتؑ رسول کا یہ دستور نہیں ہے کہ دی ہوئی چیز واپس لیں ۔ بالآخر فرزدق نے امام کا بھیجا ہوا تحفہ لے لیا ۔ فرزدق نے ۱۱۰ ھ میں وفات پائی ۔

یہی وہ فرزدق شاعر اہلبیتؑ ہے جس کے سندھ کے والی تمیم بن زید عتبی سے گہرے مراسم تھے ۔ ہشام نے جنید کے بعد تمیم بن زید عتبی کو سندھ کا گورنر کر کے بھیجا ۔

تمیم نہایت رحمدل اور فیاض انسان تھا۔ تمیم کے ساتھ جو لوگ سندھ میں آئے تھے ان میں خنیس نامی ایک یربوعی نوجوان تھا۔ خنیس کی والدہ طئی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ ایک دن فرزدق کے پاس آئیں اور بڑی عاجزی و منت سے انہیں ان کے والد غالب کی قبر کا واسطہ دیکر کہنے لگی کہ وہ سندھ کے گورنر تمیم بن زید سے ان کی سفارش کرے کہ وہ میرے بیٹے کو سندھ سے واپس وطن بھیجے۔ فرزدق نے بوڑھی عورت کی منت اور عاجزی سے متاثر ہو کر مندرجہ ذیل اشعار تمیم بن زید کو لکھ کر بھیجے۔

اتتنی فعاذب یا تمیم بغالب
وبالحفرہ السافی علیها تربها
فهب لی خنیسا واتخذ فیه منه
لحویه ام مایسوع شرابها
تمیم بن زید لاتکونـــن حاجتی
بظهر ولا یخفی علیک جوابها
فلا تکثرالتر داد فیها فانی
ملول لحاجات بطی طلا بها

فرزدق کا یہ منظوم خط جب تمیم کو ملا تو ان کے لئے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ خنیس کا لفظ پڑھنے میں نہیں آرہا تھا انہیں لفظ حبیس (ح) سمجھ میں آرہا تھا۔ لہذا اس نے یہ حکم دے دیا کہ اس نام کے جتنے بھی لوگ ہوں انہیں وطن واپس جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ تمیم کی اچانک موت سے سندھ میں اسلامی حکومت کو سخت نقصان پہنچا۔

تمیم کے حوالے سے سندھ کی تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوا کہ سندھ میں جو اس وقت تھہیم کہلاتے ہیں بنی تمیم کی اولاد ہیں۔ اور تمیم بن زید جس سے فرزدق کا تعلق تھا ایک محب اہلبیت تھا۔ اس کے علاوہ فرزدق کا دادا بھی تمیمی المجاشعی کہلاتا تھا لہذا تمیم بن زید سے جو فرزدق کا تعلق تھا وہ ایک غیر معمولی نہیں بلکہ رشتہ داری کا تعلق تھا جس سے اس کے محب اہلبیت ہونے کا ثبوت ملتا ہے اس کے علاوہ تاریخ سندھ سے بنی

مغیرہ کے متعلق بھی یہ معلومات ملی ہیں کہ مغیرہ کی اولاد جو اسوقت موریا کہلاتے ہیں۔ محب اہلبیت تھا۔ حارث بن مغیرہ کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے زید شحام سے فرمایا کہ اے زید بشارت ہو تمہیں کہ تو ہمارے شیعوں میں سے ہے۔ تیرا حشر ہمارے ساتھ ہوگا۔ کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اور حارث بن مغیرہ جنت میں ایک درجہ پر فائز ہو۔

سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد اور اس کا کردار

عبدالملک بن مروان کی خلافت (۶۵ھ) کے دسویں سال حجاج بن یوسف ثقفی والئی عراق ہوئے۔ چونکہ سندھ وغیرہ کا تعلق عراقی حکومت سے تھا اس لئے حجاج نے اپنی حکومت کے پہلے ہی سال یعنی ۷۵ھ میں سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سندھ کے سمندری کناروں کا گورنر مقرر کیا۔ سعید بن اسلم مکران میں صفوی بن لام الحمامی کے قتل کرنے کے بدلے میں مارے گئے جس کے بعد تاریخوں میں ایک واقعہ بتاکر محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد کو دکھایا گیا ہے۔

حجاج سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کیلئے لنکا (سراندیپ) کے راجہ نے خلیفہ کے لئے بہت سے قیمتی تحائف بھیجے تھے۔ اس کے علاوہ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے بہت سے بچے اور عورتیں بھی بھیجی تھیں۔ دیبل کے پاس ان کو ڈاکوؤں اور لٹیروں نے لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ حجاج نے اس وقت کے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ تم ان بچوں کو ان قیمتی تحائف کے ساتھ آزاد کروا کر میرے پاس بھیجدو۔ لیکن راجہ داہر نے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ خلیفہ کے حکم سے حجاج نے بدیل کی نگرانی میں ایک فوج بھیجی جو بدیل سمیت لڑنے کے بعد ماری گئی اور سندھ پر بڑے پیمانے پر حملہ کرنے کے لئے حجاج نے محمد بن قاسم کو مقرر کیا۔

تاریخ سندھ کے مصنف مولانا ابوالظفر ندوی نے اس سلسلے میں سادات کشی کے متعلق بالکل صحیح روایت لکھی ہے کہ اسی زمانے میں ایک اور بات پیدا ہوگئی جس کے باعث حجاج کو سندھ فتح کرنے کی ایک ضد ہوگئی۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بغاوت کی پاداش میں قتل کیا گیا اور تمام ساتھی بھی اسی گھاٹ اتارے گئے لیکن اس جماعت کا ایک

بااثر شخص عبدالرحمن ابن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب جان بچا کر نکلا اور سندھ میں آکر پناہ گزین ہوا ۔ حجاج اس سے انتقام لینا فرض اولین سمجھتا تھا اس لئے اس مسئلہ پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا۔

اس سلسلے میں ندوی صاحب پھر آگے لکھتے ہیں کہ حجاج نے ان تمام امور پر غور کر کے ایک فوج تیار کی اور اس کی افسری کیلئے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا جو صوبہ فارس میں تھا اور کسی ضروری امر کے واسطے "رے" جانے کا حکم پاچکا تھا وہ اسی تیاری میں تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ "رے" کے عِوض تم سندھ جاؤ فی الحال اس فوج کا جو تمھارے لئے بھیج رہا ہوں انتظار کرو۔

مذکورہ بالا بیان سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ حجاج نے محمد بن قاسم کو سندھ میں فقط سادات کے قتل و غارت کیلئے بھیجا تھا ۔ سندھ میں حجاج کا یہی مقصد اور مطلب تھا کہ یہاں اولاد اہلبیتؑ اور اہلبیتؑ کے ماننے والوں کا نام و نشان باقی نہ رہے اور علوم اہلبیتؑ کی تعلیم بھی عام نہ ہو ۔ کیونکہ محمد بن قاسم اموی تھا اس کے علاوہ حجاج بن یوسف کا بھتیجا اور داماد بھی تھا۔

۸۱ھ میں فتنہ ابن الاشعث نے حجاج بن یوسف کے مظالم کے خلاف خروج کیا جس میں بصرہ کے قراء ، عابدوں اور زاہدوں نے حصہ لیا اور اس تحریک کا خاتمہ ۸۳ھ میں ہوا ۔ اسی سال محمد بن قاسم فارس کے حکمران ہوئے اور انہیں بھی عابدوں ، زاہدوں اور قراء کے خلاف سخت کارروائی کرنی پڑی ۔ ابن اشعث کے ساتھ خروج کرنے والوں میں عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی بھی تھا ۔ اور جب ناکامی کے بعد ابن اشعث کے لوگ مصر کے مختلف شہروں میں جا کر پناہ گزیں ہوئے تو عطیہ عوفی فارس کے علاقے میں پہنچا ۔ اس وقت محمد بن قاسم فارس کا امیر اور حاکم تھا ۔ حجاج نے اسے عطیہ عوفی کے خلاف سخت کاروائی کرنے کیلئے لکھا اور محمد بن قاسم نے اس کے حکم کی تعمیل کی ۔ حافظ حقانی علامہ ابن سعد طبقات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ !

" عطیہ نے ابن اشعث کے ساتھ حجاج کے خلاف خروج کیا اور جب ابن اشعث کی

فوج نے شکست کھائی تو عطیہ فارس کی طرف بھاگ گیا۔ حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو لکھا کہ عطیہ کو گرفتار کرے اگر وہ علی ابن ابی طالب پر (معاذ اللہ) سب و شتم کرے تو چھوڑ دو ورنہ اس کو چار سو کوڑے لگاؤ اور اس کے سر اور داڑھی کے بال کٹوادو"۔

محمد بن قاسم نے عطیہ کو بلایا اور حجاج کا خط پڑھ کر سنایا جب اس نے اس فعل سے انکار کیا تو انہیں چار سو کوڑے لگائے اور سر اور داڑھی کے بال کٹوا دیئے۔ عطیہ اس حادثہ فاجعہ کے بعد بھی فارس میں ہی رہے۔ اس کے بعد خراسان چلے گئے اور ۱۰۲ھ میں جب عمر بن ہبیرہ، عراق کا امیر ہوا تو اس کی اجازت سے کوفے میں آکر زندگی کے باقی دن گزارے یہاں تک کہ ۱۱۱ ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

یہ عطیہ عوفی کے ایمان و اخلاص کی کھلی دلیل ہے کہ اس نے حجاج جیسے سفاک بادشاہ کے خلاف شرع حکم کو ٹھکرادیا اور اپنی زبان سے وہ نازیبا الفاظ نہ کہہ سکا جو حضرت علی علیہ السلام کی شان کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم کے متعلق یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ اس قدر ظالم اور حضرت علیؑ کا دشمن تھا کہ اس نے عطیہ عوفی کو بیگناہ چار سو درے لگائے اور اس کے سر اور داڑھی کے بال کٹوادیئے۔

محمد بن قاسم سندھ میں ۹۲ ھ میں آئے اس وقت اس کی عمر ۱۵ یا ۱۷ سال بتائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس نے مکران، فزپور، ارمائیل اور دیبل کو فتح کیا۔ اس کے بعد نیرون کوٹ (حیدرآباد) کو فتح کرکے حجاج سے آگے بڑھنے کی اجازت مانگی۔ حجاج نے اسے لکھا کہ جہاں تک فتح کرتے جاؤ گے وہاں تک تمہاری حکومت رہے گی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے فاتحانہ سرگرمیاں تیز کردیں۔ یہاں تک کہ سندھ عبور کر کے سدوسان کو فتح کیا اور ساحلی علاقوں میں راجہ داہر سے ان کا مقابلہ ہوا۔ جس میں وہ مارا گیا اس کے بعد آگے بڑھ کر اروڑ اور بہت سے دوسرے شہر فتح کئے۔

محمد بن قاسم نے جب برہمن آباد کو بھی فتح کر لیا تو وہاں راجہ داہر کی بیوی رانی لاڈی بھی تھی۔ عرب سپاہی رانی لاڈی، اس کی دو بیٹیوں اور برہمن آباد کے قلعے میں دوسری راجہ داہر کی رانیوں کو دوسرے عام لوگوں کے ساتھ قید کر کے بمعہ مالِ غنیمت محمد بن قاسم

کے سامنے لائے اور اسے جب معلوم ہوا کہ یہ راجہ داہر کی مستورات ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ان کی عزت کی جائے اور انہیں اسطرح بے نقاب اور سر برہنہ نہ رکھا جائے ۔ چنانچہ ان سب کے چہروں پر نقاب ڈالے گئے اور وہ ایک معتمد ملازم کے حوالے کی گئیں ۔

کہا جاتا ہے کہ صرف ان قیدیوں کا شمار جو بیت المال کیلئے الگ رکھے گئے تھے بیس ہزار تھا اس کے علاوہ باقی بچے ہوئے قیدی فوج میں تقسیم کئے گئے ۔ دستکاروں ، سوداگروں اور عام لوگوں کو پناہ دی گئی ۔ ان میں سے بعض کو رہا کیا گیا ۔ ان تمام کاروائیوں کے بعد محمد بن قاسم نے ان لوگوں کی طرف توجہ دی جو سپاہی تھے اور مقابلہ کے دوران گرفتار ہوئے تھے ۔ محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ یہ تمام لوگ قتل کئے جائیں ۔ چنانچہ اس طرح چھ ہزار لوگوں کو تہ تیغ کیا گیا ۔ چھ ہزار لوگوں کا بے گناہ قتل چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مگر پوری انسانیت کا قتل ہے اور پھر بڑے فخر سے محمد بن قاسم کے اس قتل و غارت کو سندھ میں اسلام پھیلانے کا نام دیا جاتا ہے ۔

تاریخ سندھ میں عبدالحلیم شررؔ نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے شہر میں اعلان کرایا کہ راجہ داہر کی رانی لاڈی جہاں کہیں بھی ہو میرے سامنے لائی جائے ۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے سامنے رانی لاڈی کو پیش کیا گیا اور اس نے راجہ کی رانی لاڈی سے شادی کی اور راجہ داہر کی دونوں بیٹیوں کو جن میں سے بڑی کا نام سورج دیوی اور چھوٹی کا نام پرمل دیوی تھا ، خلیفہ ولید بن عبدالملک کو بغداد بھیجیں ۔ ولید نے دونوں کو اپنے سامنے بلایا اور مترجم سے پوچھا کہ ان سے پوچھو کہ آپ میں بڑی کون ہے ۔ سورج دیوی نے کہا میں بڑی ہوں ۔ خلیفہ نے بڑی بہن کو خلوت میں بلایا اور چھوٹی کو دوسرے وقت کیلئے رکھا ۔ سورج دیوی نے جب خلیفہ کے سامنے اپنا گھونگھٹ اٹھایا تو خلیفہ ان پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا اور بیتابی سے اس نےجب سورج دیوی کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اٹھکر کھڑی ہوگئی اور باادب عرض کرنے لگی کہ میں بادشاہ کے بستر راحت کے قابل نہیں ہوں ۔ اس لئے کہ محمد بن قاسم نے ہم دونوں کو تین دن تک اپنی خلوت میں رکھ کر حضور کی عشرت سرا میں بھیجا ہے ۔ شاید یہانپر یہی دستور ہو ۔ مگر بادشاہوں کو تو اس طرح

کی رسوائی کا برداشت کرنا نہیں چاہئیے ۔ یہ سن کر خلیفہ ولید نے غصے میں آکر محمد بن قاسم کو خط لکھا کہ تم فوراً اپنے آپ کو کچی کھال میں بند کرواکر دربار خلافت میں حاضر ہو جاؤ ۔ اس وقت محمد بن قاسم اڈھا پور میں تھا ۔ فوراً حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو کچی کھال میں بند کرواکر عراق کی طرف روانہ کروایا مگر دو دن کے بعد خود راستے میں مرگیا اور خلیفہ نے محمد بن قاسم کے مرنے کے بعد راجہ داہر کی بیٹیوں کو اپنے سامنے دیواروں میں زندہ چنوادیا ۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ لڑکیاں گھوڑے کی دم میں باندھکر گھسیٹی گئیں جس کی تکلیف سے وہ مر گئیں اور آخر میں ان کی لاش کو دریائے دجلہ میں بہادیا گیا ۔

محمد بن قاسم کی موت کے بعد اس کا بیٹا عمر بن محمد بن قاسم بیس سال تک سندھ میں مختلف حیثیتوں سے رہا اور سندھ ہی میں مرگیا ۔ یہ ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک حکم بن عوانہ کلبی کی رفاقت اور معیت میں سندھ کی حکومت کے اہم فرائض انجام دیتا رہا ۔ ۱۲۲ھ سے ۱۲۵ھ تک سندھ پر مستقل امیر و حاکم بن کر فتح حاصل کی ، ۱۲۵ھ میں انہیں معزول کیا گیا ، ۱۲۶ھ میں سندھ کے والی محمد بن غزان کلبی نے انہیں گرفتار کیا اور اسی قید میں مرگیا ۔ عمرو بن محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنے دور حکومت میں محمد بن غزان ، کلبی کو گرفتار کیا اور انہیں زدوکوب کر کے والیٔ عراق یوسف بن عمرو کے پاس بھیجا ۔ جیسا کہ محمد بن غزان ، کلبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ اس خاندان سے وہب کلبی ایک مردِ مجاہد تھا جس نے میدان کربلا میں حضرت امام حسینؑ پر اپنا سر قربان کر دیا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ یوسف نے بھی محمد بن غزان کلبی کو سزا دی اور ایک بڑی رقم جرمانہ کے طور پر عائد کی اور حکم دیا کہ ہر جمعہ کے دن اس رقم کا ایک حصہ ادا کرتا رہے ورنہ عدم ادائیگی کی صورت میں پچیس دُرّے لگائے جائیں گے ۔ یہ رقم محمد بن غزان کلبی ادا نہ کر سکا اور دُرّے کھاتا رہا جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں سوکھ گئیں ۔

یزید بن ولید بن عبدالملک نے ۱۲۶ ھ میں خلیفہ ہوتے ہی یوسف بن عمرو کی جگہ عراق کی گورنری منصور بن جمہور کلبی کو دی ۔ جب یوسف کو یہ معلوم ہوا تو وہ ملک شام کی طرف بھاگ گیا ۔ منصور بن جمہور نے عراق کا گورنر ہوتے ہی سندھ کی حکومت میں رد و

بدل کیا اور یزید بن عرار کو معزول کر کے اس کی جگہ پر عمرو بن محمد بن قاسم کے حریف محمد بن غزان کلبی کو مقرر کیا۔ اس کے ساتھ انہیں سجستان اور سندھ کی بھی حکومت دی۔ اس نے سندھ میں آکر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ عمرو بن محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے قید کردیا اور بعد میں عُمرو، محمد بن غزان کلبی کی قید میں اپنی ہی تلوار سے اپنا پیٹ کاٹ کر مر گیا۔

مذکورہ محمد بن قاسم اور اس کے بیٹے کے بیان کردہ مختصر حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نہ صرف اموی خاندان سے تعلق تھا اور یہ سندھ میں اسلام پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ انہیں حجاج بن یوسف نے سادات کرام کو قتل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ کیونکہ حجاج ساداتِ کرام کی نسل کشی کا منصوبہ رکھتا تھا اور اہلبیتؑ کے خون کا پیاسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی سادات کرام اور محبانِ اہلبیتؑ سندھ میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس طرح سندھ اولاد فاطمہؑ زہرا کے لیے آغوشِ مادر بنتی رہی اور سعادت دو سعاد حاصل کرتی رہی۔

پس اسلام حضرت علی علیہ السلام کے دور میں سندھ میں آیا نہ کہ محمد بن قاسم کے دور میں۔ وہ بنی امیہ کے ہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ پر ۹۰ سال تک منبروں پر علی الاعلان سب و شتم کروایا۔ کیونکہ یہ اہلبیتؑ اور اسلام کے دشمن تھے۔ پھر بھلا یہ سندھ میں کس طرح اسلام پھیلا سکتے تھے۔ یہ لوگ تو سندھ میں صرف اپنے مطلب اور مقصد کے حصول کے لئے آئے تھے۔ یعنی اہلبیتؑ کے نام و نشان کو مٹانے اور سندھ میں بیگناہ اور مظلوم ساداتِ کرام کی نسل کشی کرنے۔

مذکورہ شواہد و اسناد سے ثابت ہوتا ہے کہ نور اسلام کی شعاعیں حضور صلعم کے عین حیات پاک میں سندھ کی طرف پھیلیں اور عہد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام تک سندھ کو اپنے انوار و تجلیات سے منور کر چکیں تھیں۔ رہا سوال یہ کہ محمد بن قاسم سندھ میں اسلام لائے تو اس کا جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ ۹۰ برس تک خلیفۃ المسلمین نائبِ رسول شیرِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والوں کی اولاد اسلام پھیلانے نہیں بلکہ سندھ میں محبانِ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے

نام و نمود کو مٹانے کی غرض سے آئے لیکن خود ہی مٹ گئے یہاں تک کہ ان کی قبروں کے نشانات تک نہیں ملتے کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

چراغـــی را کـــه ایـزد بـر فروزد

کسی که او پف زند ریشش به سوزد

اس سلسے میں ہم علامہ رشید ترابی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مجلس پیش کرنے والے تاریخی واقعہ کو قارئین کی نذر کرتے ہیں۔ کہ یہ واقعہ مجلس بہ عنوان "کلمۂ طیبہ" جلد اول، صفحہ ۱۳۵ سے ماخوذ ہے کہ:

ایک مرتبہ زوالِ بنی عباس کے دور حکومت میں آخری عباسی حکمران سامرہ کے دورے پر نکلا اور دورانِ سفر امام علیؑ نقی اور امام حسن عسکریؑ کے روضے پر پہنچا۔ دریافت کیا یہ کس کی قبر ہے لوگوں نے کہا یہ امام علی نقیؑ کی قبر ہے۔ یہ شیعوں کا دسواں امام ہے اور یہ شیعوں کا گیارہواں امام ہے لہذا وہ اندر گیا۔ زیارت کی اور زیارت کر کے دیر تک قبر کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد واپس آ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر! آپ یہاں تک جب آئے ہیں آپ کے دادا وغیرہ کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں یہیں متوکل دفن ہیں۔ یہاں معتمد دفن ہیں، یہیں معتمد کا بیٹا دفن ہے۔ یہاں متوکل کا باپ دفن ہے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ ذرا چل کے دیکھ تو لیجئے۔ لہذا وہ چلا کیا دیکھتا ہے کہ پیچھے کھلا میدان ہے اجڑی ہوئی قبریں ہیں، جانور لوٹ رہے ہیں، کوئی اس طرف جاتا نہیں، مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے خاموشی سے ان قبروں کو دیکھا۔ وزیر نے کہا! اب آپ تخت حکومت پر ہیں یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں وہ محمدؐ کے پوتوں کی قبریں ہیں معلوم نہیں کہ دنیا نے جن پر ظلم کئے ان کی قبریں بن رہی ہیں اور دنیا میں جنہوں نے حکومت کی آج وہ اجڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ چونکہ یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ اس لئے یہ مناسب نہیں کہ آپ کے پاس اقتدار اور بیت المال ہوتے ہوئے آپ اپنے آباؤ اجداد کی قبریں تعمیر نہ کریں اور ان کے روضے نہ بنوائیں۔

راوی جو اب وزیر ہے بیان کرتا ہے کہ صبح سے وہ بڑے سکون و وقار کے ساتھ

خاموش کھڑا تھا جب یہ جملہ ختم ہوا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے گئے۔ کہا! کہ تو کیوں پوچھتا ہے ان باتوں کو؟۔ اس لئے تاکہ خدا نے ہمارے آباء اجداد کو ذلیل ہونے کے لئے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظمت و بڑائی کے لیے پیدا کیا تھا۔ اگر ہم دنیا کے خزانے صرف کردیں تب بھی یہ قبریں آباد نہیں ہوں گی۔ کیونکہ روضے انہیں کے بنتے ہیں جن کو خدا عظمت دیتا ہے اور ان کو دنیا سلام کرتی ہے لہذا یہ روضے نہیں بن سکتے۔ کیونکہ جن کو خدا نے قابلِ سلام بنا دیا ہے ان کے روضے بنے ہیں اور بنتے ہیں۔

ولید بن یزید کا قاتل سندھی

۱۲۶ ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک قتل کیا گیا تو اس کو قتل کرنے والا زیاد سندھی کا فرزند تھا۔ زیاد سندھی جن کو ہشام بن عبدالملک کے حکم پہ حضرت امام زین العابدین کے فرزند زید شہید کے ساتھ پھانسی دی گئی تھی۔ یہ سندھی ہشام سے اپنے والد اور حضرت زید کا بدلہ تو نہ لے سکا لیکن ۶ ربیع الاول ۱۲۵ ھ کو جب ہشام کی جگہ ولید بن یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا تو ایک دن اسی سندھی مردِ مجاہد نے موقع پاکر اسے قتل کردیا۔

عمر بن حفص سندھ کا شیعہ گورنر

خاتمۂ بنی امیہ کے بعد عباسیوں نے جن ممالک پر قبضہ کیا ان میں سندھ بھی شامل تھا۔ ۱۴۲ ھ میں خلیفہ منصور دوانیقی عباسی نے عمر بن حفص کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ عمر بن حفص باطن میں شیعت کی طرف مائل تھا لیکن منصور جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے خود کو ظاہر نہ کر سکا۔ اسے سادات اور علویوں سے بیحد ہمدردی تھی۔

حضرت امام حسنؑ کے پڑپوتے عبداللہ الاشتر کی سندھ میں آمد

عباسی خلیفہ منصور کے زمانے میں شیعی تحریک کے علمبردار حضرت عبداللہ الاشتر سب سے پہلے منصورہ میں وارد ہوئے۔ اس وقت سندھ کے والی عمر بن حفص شیعہ

تھے ۔ عبداللہ الاشتر کا سلسلہ نسب جا کر امام حسنؑ سے ملتا ہے عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الحسن المثنیٰ بن امام حسن ۔ عبداللہ اپنے پدرِ بزرگوار جناب محمد نفس زکیہ کی شہادت کے بعد بحری راستہ سے عیسی بن عبداللہ بن سعد شیعی کے ساتھ والئی سندھ عمر بن حفص کے پاس سندھ میں پہنچے ، گورنر نے ان کا خیر مقدم کیا اور بیحد عزت سے پیش آیا ۔ اس سے قبل ۱۴۴ ھ میں عبداللہِ بن حسن بن علی ابن ابی طالب کے بیٹوں محمد اور ابراہیم نے جب حقوق اہلبیتؑ کا عَلَمَ بلند کیا تو حجاز اور عراق میں ان کے ہزاروں حامی اٹھ کھڑے ہوئے ۔ یہ تحریک اس قدر قوی اور فعال تھی کہ خود خلیفہ منصور کے دل پر ناامیدی و مایوسی غلبہ ہوگیا ۔ ۱۴ یا ۱۵ رمضان ۱۴۵ ھ کو محمد عبداللہ جو نفسِ زکیہ کے نام سے مشہور تھے مقتول ہوئے ۔ مگر ابراہیم بن عبداللہ یعنی محمد کے بھائی منصور کو پریشان کرتے رہے ۔ محمد نفس زکیہ نے اپنے بیٹے عبداللہ الاشتر کو ۱۴۴ ھ میں سندھ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ جا کر وہاں خلافتِ عباسیہ کے خلاف حقوق اہلبیتؑ کا عَلَمَ بلند کریں۔ ۱۴۵ھ میں عبداللہ الاشتر نے بصرہ پہنچ کر بہت سے عمدہ گھوڑے عمر بن حفص کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے خریدے اور وہ گھوڑے اپنے ساتھ لیکر جہاز پر سوار ہوئے ۔ عبداللہ جب عمر بن حفص کے پاس سندھ پہنچا تو یہ وہ وقت تھا کہ عمر بن حفص نے ابھی تھوڑے ہی دن پہلے عنیبہ کو گرفتار کر کے عنان حکومت اپنے قبضے میں کیا تھا ۔ عبداللہ اشتر کو اس پر بھروسہ تھا کیونکہ یہ شخص حضرت علی علیہ السلام کے شیعان اور محبانِ اہلبیتؑ میں سے تھا ۔ عبداللہ کو یقین تھا کہ اس کی مدد سے سندھ میں کامیابی نصیب ہوسکتی ہے کیونکہ وہ بھی اسی طبیعت کا آدمی تھا یعنی فاطمی غیرت کی وجہ سے بغیر کامیابی کے بغیر وہ اپنے باپ کے پاس واپس جانے والا نہ تھا ۔ لہذا عبداللہ اشتر سمندری سفر کی سختیاں برداشت کر کے منصورہ پہنچا ۔ عمر بن حفص نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی دعوت قبول کی ۔ اس طرح عبداللہ الاشتر کی آمد سے سندھ میں شیعت پروان چڑھنے لگی ۔ عبداللہ الاشتر کو عمر بن حفص پر مکمل اعتماد تھا لہذا انہوں نے کہ میں یہاں پر گھوڑے خرید کرنے آیا ہوں ۔ عمر بن حفص وہ شخص تھا جو خاندانِ رسالتؐ کی باقی بچی ہوئی یادگار (سادات) کی خدمتگذاری کو ثواب سمجھتا تھا ۔ لہذا اس نے حکومت کے زیر اثر تمام

سوداگروں کو حکم دیا کہ عمدہ گھوڑے جمع کر کے حاضر کریں۔ عمر بن حفص کی یہ نیک نیتی دیکھ کر بھی عبداللہ نے اس کے سامنے اپنا راز ظاہر نہیں کیا لیکن آپ کے رفیقوں میں سے بعض لوگوں نے عمر کو کہہ دیا کہ گھوڑوں کے متعلق جو آپ نے کوشش کی ہے اس کے لئے ہم آپ سے وہ چیز مانگنے آئے ہیں جو دنیا و آخرت میں آپ کے لئے گھوڑوں اور تمام دنیاوی فیاضیوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہمیں ملک میں امان دیجئے اور یہ موقع بھی دیجئے کہ آپ کے تعاون سے خلافت کو بنی فاطمہؑ کے گھرانے میں پہنچائیں۔ عمر نے یہ درخواست بڑی خوشی سے قبول کی اور اس طرح سے عبداللہ اشتر کے سندھ میں رہنے سے سندھ میں شیعت نے فروغ پایا۔

سندھ میں بنی فاطمہ کی دعوت

عمر بن حفص نے عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں شاہی محل میں سکونت مہیا کی۔ عمر نے جب دیکھا کہ بہت سے لوگ شیعہ ہوگئے ہیں۔ تو ان کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اس اجتماع سے عبداللہ اشتر نے پرجوش خطاب کیا بعدازاں تمام حاضرینِ مجلس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حالانکہ یہ کارروائی ظاہری طور پر کی تھی مگر یہ خیال رکھا گیا کہ خلیفہ کو اس امر کا پتہ نہ چلے۔ اس کے بعد عبداللہ اور عمر بن حفص نے لوگوں کو عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کردیا اور پرزور طریقے سے محمدؐ و آل محمد کے حقوق کی تبلیغ کرتے رہے۔

المختصر عمر بن حفص نے کالے پھریروں کے بدلے سندھ میں سفید پھریرے والے جھنڈے نصب کروائے۔ اس دوران جناب محمد نفس زکیہ والدِ عبداللہ اشتر شہید ہوئے کی خبر پہنچی۔

عبداللہ اشتر سندھ میں ایک ہندو راجہ کی پناہ میں

جس زمانے میں سندھ میں شیعہ مذہب کی تبلیغ ہورہی تھی اسی زمانے میں ایک جہاز بغداد سے آکر منصورہ کے پاس لنگر انداز ہوا۔ جہاز والوں کے ذریعے عمر بن حفص

کی زوجہ نے (جو کہ اپنے وطن ہی میں تھی) یہ پیغام بھیجا کہ محمد اور ابراہیم عباسیوں کی فوج کے ہاتھوں میدان جنگ میں مارے گئے۔ اس خبر نے عبداللہ اشتر کے دل کو مغموم کردیا اور جب عمر بن حفص ان کے پاس فاتحہ خوانی کیلئے گیا۔ عبداللہ اشتر نے نہایت ارمان اور ناامیدی کے لہجے میں کہا کہ اب مجھے اپنی جان بچانے کی فکر ہے۔ عمر نے انہین تسلی دی منصورہ سے نکال کر مشورۃً کہا کہ سندھ کے سرحدی راجاؤں میں سے ایک طاقور ترین راجہ جو کثیر فوج کا مالک ہے وہ جناب رسالتمآبؐ سے بیحد عقیدت رکھتا ہے آپ ان سے جاکر ملیں۔ عبداللہ اشتر نے اس سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ کیا اس نے فوراً آپ کو اپنے پاس بلوایا اور شہزادوں کی طرح تعظیم اور توقیر سے اپنے پاس رکھا اور اپنی بیٹی کا عقد بھی آپ سے کردیا اور اس طرح ۱۵۱ ھ تک عبداللہ مذکورہ راجہ کے پاس پناہ گزیں تھے۔ یہ تھا ایک ہندو راجہ جس نے ایک سادات کو پناہ دیکر محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اظہار محبت کا ثبوت دیا اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ سندھ میں نہ صرف سندھی مسلمانوں کو اہلبیتؑ رسول سے محبت اور عقیدیت تھی بلکہ ہندو بھی اہلبیتؑ کی محبت کا دم بھرتے تھے اور ساداتِ کرام کا احترام کرنا واجب گردانتے تھے۔

ہشام بن عمرو تغلبی کا والئ سندھ ہونا۔

منصور کو جب سندھ میں مذکورہ راجہ کے پاس عبداللہ کے پناہ گزیں ہونے کا پتہ چلا تو اس نے عمر بن حفص کو معزول کر کے اس کی جگہ پر ہشام بن عمرو تغلبی کو ۱۴۶ ھ میں سند حکومت دیکر روانہ کیا اور وقت روانگی تاکیدی طور پر یہ بھی ہدایت کی کہ عبداللہ اشتر کو گرفتار یا قتل کر کے جلد از جلد بغداد کی طرف بھیج دیا جائے۔ اگر سندھ کا راجہ اسے دینے سے انکار کرے تو حملہ کر کے اس سے ملک چھین لیا جائے۔ راجہ کے پاس عبداللہ اشتر پوری آزادی سے قیام پذیر تھے اور اہلبیتؑ کے ماننے والے جو ان کے مطیع تھے وہ بھی آہستہ آہستہ جاکر ان کے پاس رہنے لگے۔ بالآخر سندھ کے چار سو شیعہ حضرات آکر جمع ہوگئے اور اس طرح عبداللہ نے ۹ سال اس راجہ کے پاس آرام اور آسائش میں گذارے۔

تاریخ نے سندھ کی سادات نوازی کو احسان مند نظروں سے دیکھا ہے ۔ کیونکہ سندھ کے لوگوں نے اہلبیتؑ سے اپنی محبت و مودت کا ثبوت سادات کرام کو پناہ دیکر اور ان کا احترام کر کے دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ ڈاہر نے بھی پیغمبر اسلام کی اولاد کو پناہ دی تھی اور اس ہندو راجہ نے عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو بڑی عزت سے رکھا اور انہیں ہر سہولت مہیا کی ۔ یہی نہیں بلکہ اس ہندو راجہ نے عبداللہ کو اسلام کی تبلیغ کرنے سے بالکل منع نہیں کیا اور امام حسنؑ کے اس پڑ پوتے نے اشاعت دین کا پورا پورا حق ادا کیا اور بہت سے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔

منصور کا ایک سندھی مُحب اہلبیتؑ کو قتل کروانا۔

منصور کا خط جب عمر بن حَفص کو پہنچا ۔ تو خط پڑھکر انہیں کوئی تدبیر نہیں سوجھی تو انہوں نے اپنے وفادار دوستوں اور عزیزوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے ؟ یہ سنکر سب خاموش ہوگئے ایسے میں ایک مُحبِ اہلبیتؑ سپاہی نے نہایت جوشِ عقیدت سے کہا کہ یہ پورا الزام مجھ پر لگا کر مجھے قید کر دیا جائے اور حاکم کو میرے متعلق مطلع کریں اس پر عمر نے کہا کہ تم بیگناہ مارے جاؤ گے ۔ یہ سنکر اس نے جراتمندانہ جواب دیا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ۔ بالآخر اس مُحب اہلبیتؑ نے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک سادات اور اولادِ اہلبیتؑ کو بچانے کیلئے اپنا نام دارالخلافت کو بھجوادیا منصور نے اسے سندھ سے بلواکر اپنے سامنے قتل کروایا اور عمر بن حفص کا سندھ سے تبادلہ کر کے افریقہ بھیج دیا اور ان کی جگہ ہشام کوسندھ کا حکمران مقرر کردیا ۔ (نوٹ: عبداللہ اشتر کو اس تمام واقعہ کا کچھ بھی علم نہیں تھا۔

ہشام بن عمرو تغلبی بھی آلِ محمدؐ کا طرفدار اور شیعہ تھا

چونکہ عبداللہ اشتر کو ہندو راجہ سے لینے کیلئے منصور نے ہشام کو سندھ کی طرف روانہ کیا تھا اور عمر بن حفص کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنا عہدہ ہشام کے حوالے کر کے قیروان افریقہ جاکر حکومت سنبھالے جب ہشام سندھ میں داخل ہوا تو اس نے ہندو راجہ کو بلواکر اس سے عبداللہ اشتر مطالبہ کیا ہندوراجہ نے دینے سے انکار کیا ۔ تب ہشام غور کرنے پر مجبور

ہوا کہ منصور کے حکم کی کس طرح تعمیل کی جائے کیونکہ ہشام خود بھی عمر بن حفص کی طرح محبِ اہلبیتؑ اور خاندان نبوت کا احترام بھی کرتا تھا اور شیعیانِ علیؑ کا طرفدار بھی تھا۔ بالاخر سوچ سمجھ کر اس نے یہ کارروائی کی کہ سندھ کے شہروں اور فوجی حلقوں میں مشہور کردیا کہ عبداللہ اشتر کے متعلق ہندو راجہ سے بات چیت چل رہی ہے جبکہ تفصیل منصور کو بھیج دی۔

عبداللہ الاشتر کا بیگناہ قتل

اسی دوران سندھ کے کسی حصے میں بدامنی ہوگئی جس کو رفع کرنے کے لئے ہشام نے اپنے بھائی کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ ہشام کے بھائی سفیح بن عمرو کو بدامنی والی جگہ پہنچنے کیلئے اسی راجہ کی سرحد سے گذرنا تھا۔ راستے میں اسے دور سے گردو و غبار اڑتا دکھائی دیا اور گمان گذرا کہ کوئی دشمن آرہا ہو لہذا اس نے اپنے لشکر کو مقابلے کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا۔ جب گردوغبار چھٹا تو اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ اشتر اپنے دس سواروں کے ساتھ تفریح کیلئے نکلے ہوئے تھے۔ سفیح نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ امام حسنؑ کا یہ پڑپوتا روباہوں کو بھلا کس طرح پشت دکھاتا کیونکہ یہ ان کی شان کے خلاف تھا۔ جبکہ سفیح کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور ان کے ساتھ فقط دس آدمی تھے۔ حق و باطل کے درمیان مقابلہ ہوا عبداللہ نے لاشوں کے انبار لگادئیے اور ان کا ایک ایک ساتھی بہادری سے حقِ سر فروشی ادا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے تمام ساتھی لہولہان ہو کر شہید ہو گئے اور عبداللہ بھی لاشوں کے درمیان گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ گویاواقعہ کربلا دوہرانا عبداللہ کی میراث تھی، زخمی سید نے پہلو بدل بدل کر جوانمردی سے سندھ کی سرزمین پر اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ مقتولین کے درمیان آپ کی لاش کی شناخت نہ ہوسکی کیونکہ آپ کی لاش اتنی بیدردی سے لخت لخت کی گئی تھی کہ پہنچانی نہ جا سکی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپکے ساتھیوں اور عقیدت مندوں نے آپکی لاش کو بے حرمتی کے خوف سے دریا میں بہا دیا اس واقعہ کی جب ہشام کو خبر ہوئی تو اسے سخت افسوس ہوا۔ بھائی کا کچھ نہ کرسکا کیونکہ کہ بھائی منصور کا حامی تھا لہذا خاموش ہوگیا۔ کراچی

میں کلٹن کے مقام پر عبداللہ شاہ غازی کا مزار ہے وہ اسی عبداللہ الاشتر کا مزار ہے۔

ہندو راجہ کا قتل ہونا

عباسی خلیفہ منصور کو عبداللہ الاشتر کی شہادت کے بعد بھی سکون نہ ملا اس نے ہشام کو اس راجہ کی سرکوبی کا حکم بھیجا جس نے آلِ رسول کو پناہ دی تھی اور کثیر تعداد میں سادات اور نو مسلم محبانِ اہلبیتؑ جس کی حفاظت میں تھے۔ جب ہشام نے راجہ سے ساداتِ کرام کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تو انکار پر ہشام ایک بڑا لشکر لیکر نکلا۔ راجہ اور اس کی فوج بڑی جوانمردی سے لڑی راجہ کی تقریباً فوج سادات کو بچاتے ہوئے ماری گئی۔ پھر بھی راجہ لڑتا رہا اور لڑتے لڑتے خود بھی مارا گیا۔ سادات بھی یادگار معرکہ آرائی کرتے ہوئے شہید ہوئے ان کی شہادت نے عباسیوں کی حکومت میں اہل سندھ کے دل و دماغ پر قبضہ کرکے اہلبیتؑ کی محبت کا اضافہ کردیا۔

راجہ کے مارے جانے کے بعد اس کے ملک پر قبضہ کیا گیا۔ عبداللہ اشتر کی زوجہ اور ان کے شیر خوار بچے کو جس کا نام محمد تھا، گرفتار کر کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ خلیفہ منصور کے پاس بھیجا گیا۔ خلیفہ منصور نے عبداللہ الاشتر کی زوجہ اور بچہ کو مدینے میں اہلبیتؑ کی طرف بھیج دیا اور محمد کیلئے مدینے کے حاکم کو لکھا کہ اس بات کی تصدیق کی جائے کہ یہ لڑکا صحیح النسب سید ہے۔

سندھ میں خارجیوں کی آمد

منصور دوانیقی کے زمانے میں شیعیان علی علیہ السلام کے مقابلے میں، خارجیوں نے بھی سندھ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ لیکن حاکم سندھ عمر بن حفص جو کہ شیعوں کا طرفدار تھا، اس کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا کہ ان کی کوشیش بارآور ہوں گیں بھی۔ عمان کے خارجی باشندے ابتداء دور بنو عباسی سے ہی سندھ میں آکر اہل سندھ کو حکومت کی خلاف اکساتے تھے۔ جیسا کہ ۱۴۲ ھ میں حسان بن مجالد ھمدانی نے جو خارجی المذہب تھا اور تمام اطراف سے گھوم پھر کر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی سخت کوششیں کیں۔ اس کا ارادہ تھا کہ کسی بھی طرح اپنے عقیدے کے لوگوں کی ایک بڑی فوج تیار کر کے

حکومت کے خلاف بغاوت پھیلائی جائے ۔ مگر عمر بن حفص اور عبداللہ اشتر نے لوگوں پر شیعیت کے ایسے نقوش چھوڑے تھے کہ کسی بھی شخص نے اس طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی انکی کوئی بات سنی ۔ حسان کا جب یہاں کچھ بس نہ چلا تو بالآخر ناآمید ہوکر موصل چلا گیا ۔

سندھ کے حسینی برہمن

حسین بن علی مثلث بن حسن مثنی بن حسن بن علی ابی طالب نے مدینے میں ۱۶۹ ھ میں حقوق اہلبیتؑ کا عَلم بلند کیا ۔ جب مکے میں حسین بن علی کا عباسی لشکر سے مقابلہ ہوا تو وہاں پر کچھ ترکیوں اور ہندی غلاموں نے حسین کا ساتھ دیا تھا ۔ سندھ کی گذشتہ لڑائی میں عبداللہ اشتر کے مقتول ہونے پر ان کی زوجہ (سندھ کے مذکورہ راجہ کی بیٹی) اور بیٹے کے ساتھ کچھ برہمن بھی جو راجہ کے رشتیدار تھے ، گرفتار ہو کر جنگی قیدیوں کی حیثیت سے منصور کے پاس پہنچے ۔ منصور نے انہیں مدینہ بھیجا تھا ۔ یہ جنگی قیدی جو ہندی غلام کہلاتے تھے حسین مذکورہ کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے ۔ حسین کے ساتھ ان میں سے کچھ مقتول ہوئے اور کچھ معجزاتی طور پر دوبارہ سندھ واپس پہنچے ۔ ان ہی لوگوں کی اولاد حسینی برہمن کہلاتے ہیں اور یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ وہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین کی نصرت کرنے والے جانبازوں کی اولاد ہیں ۔

حضرت امام موسی کاظمؑ اور سندھ کا محترم بندہ متمم ابن فیروز

ایک راہب نے امام موسیٰؑ کاظم کی خدمت میں گذارش کی کہ میں نے سنا ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص ہے وہ جب بھی حج کا ارادہ کرتا ہے تو ایک دن اور ایک رات میں بیت المقدس روانہ بھی ہوتا ہے اور حج کر کے واپس بھی آجاتا ہے ۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ وہ شخص سندھ میں فلاں مقام پر رہتا ہے ۔ اس کے پاس وہ اسم ہے جو آصف بن برخیا کے پاس تھا ۔

راہب اس شخص کو ڈھونڈتا ہوا اس مقام پر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ پہاڑ پر اس شخص نے جھونپڑی بنائی ہوئی ہے جس میں وہ رہتا ہے اور سال میں دو مرتبہ اس جھونپڑی سے نکلتا ہے ۔ جھونپڑی میں پانی کا چشمہ بھی ہے اس کے چاروں طرف زمین بھی ہے جس

میں بغیر آب و دانہ اور بغیر ہل چلائے قدرتی طور پر ہری بھری کھیتی ہوتی ہے۔

راہب تین دن تک اس جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھا رہا، چوتھے دن ایک گائے جس کے تھنوں سے دودھ بہہ رہا تھا اس کی پشت پر لکڑیاں تھی اور جب وہ لکڑیاں اس نے دروزے پر ڈالیں تو دروازہ کھل گیا اور وہ بھی اس دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے سامنے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو کبھی آسمان کو دیکھ کر روتا ہے تو کبھی زمین کو، اور کبھی پہاڑوں پر نظر دوڑا کر آہ و زاری کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر راہب کے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکل گیا اور کہنے لگا کہ ہمارے زمانے میں ایسی مثال ملنا بہت کم ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے جواب دیا کہ یہ فقط اس بزرگ کی نوازشات میں سے ایک نوازش ہے جس کو تو چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ بیت المقدس کیا ہے؟ تو راہب نے جواب دیا کہ میرے علم میں تو وہی بیت المقدس ہے جو شام میں ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں حقیقی بیت المقدس آلِ محمد علیہ السلام کا گھر ہے جس کو تو بیت المقدس کہتا ہے وہ تو انبیاؤں کی محراب ہے جس کو "حظیرۃ المحاریب" کہا جاتا ہے تو مدینہ منورہ جا کر ان کی زیارت کر۔

جب اس نے مدینے جا کر امام موسی کاظم علیہ السلام سے ماجرا بیان کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ متمم ابن فیروز فارسی ہے جو خدائے عزوجل پر ایمان لایا اور اس کی عبادت کی اور اپنی قوم کے ڈر سے وطن کو چھوڑنا پڑا۔ خداوندِ عالم نے اس کو صراط المستقیم کی ہدایت عطا فرمائی اور متقین میں اسے شمار کیا۔ وہ ہر سال مکہ معظمہ جا کر حج ادا کرتا ہے اور ہر مہینے عمرہ کی سعادت سے سرفراز ہوتا ہے وہ اپنے گاؤں سے مکہ معظمہ بفضلِ خدا آتا جاتا ہے۔ خداوندِ عالم اپنے شکر گذار بندوں کو یونہی جزا دیتا ہے۔

سندھ کے لوگ دربار ہارون رشید میں

ہارون رشید کے زمانے میں سندھ میں بعض ایسے معتمد ہوا کرتے تھے کہ جن کو خلافت کی طرف سے بڑی بڑی ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد ۱۷۳ ھ میں ہارون رشید نے پہلا حج کیا۔ جب ہارون رشید حج کے لیے آیا تو لوگوں نے

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق دروغ گوئی کی کہ امام کے پاس ہر طرف سے مال آتا ہے ۔ اتفاق سے ایک دن ہارون رشید خانۂ کعبہ کے قریب حضرت موسی کاظم علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا تم ہی ہو جس کی لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دلوں کے امام ہیں اور تم جسموں کے ۔ پھر ہارون رشید نے امام موسی کاظم سے پوچھا کہ تم کس دلیل سے کہتے ہو کہ ہم ذریّتِ رسول ہیں ۔ حالانکہ تم علیؑ کی اولاد ہو ۔ اور ہر شخص اپنے دادا سے منسوب ہوتا ہے اور نانا سے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا۔ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائے کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ " **ومن ذریتہ دائود سلیمان ایوب ذکریا یحییٰ و عیسیٰ** " اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسی بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو جس طرح حضرت عیسی محض اپنی والدہ کی نسبت سے انبیاء کی ذریت میں شامل ہیں اسی طرح ہم بھی اپنی مادرِ گرامی جنابِ فاطمہؑ زہرا کی نسبت سے جناب رسول خدا کی ذریت میں ہیں ۔ پھر فرمایا کہ جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلے کے وقت پیغمبر خدا نے سوائے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ اور حسینؑ کے کسی اور کو نہیں لیا اور ازروئے قرآن " ابناء نا " سے مراد حضرات امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں جو رسول اللہ کے فرزند ہیں ۔ جب ہارون رشید حج کر کے مدینہ پہنچا اور زیارت کیلئے روضۂ مقدسِ نبوی پر حاضر ہوا تو اس وقت ان کے ساتھ قریش اور عرب کے دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی تھے ۔ اس وقت حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام بھی روضۂ اقدس میں موجود تھے ۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا حسب نسب ظاہر کرنے کیلئے فخریہ قبر مبارک سے مخاطب ہو کر کہا کہ سلام ہو آپ پر اے ! رسولِ خدا ۔ اے ! ابن عمّ ۔ یہ وہ موقعہ تھا جہاں حجتِ خدا کو اپنا تعارف کروانا لازم ہے اسی لئے حضرت امام موسیٰ کاظم نے فرمایا کہ سلام ہو آپ پر اے میرے پدر بزرگوار ! یہ سنتے ہی ہارون رشید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا جہاں آپ کو قید کردیا اور ایک سندھی درباری امیر سندی بن شاہک کو نگہبان مقرر کر دیا وہ اپنی بہن کیساتھ نگہبانی کے فرائض سرانجام دیتا رہا یہ دونوں محبانِ اہلبیتؑ تھے اور

حتی المقدور امام علیہ السلام کی خدمت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ اس مومنہ سندھی عورت کو ہارون رشید نے زندان سے بلا کر امام کے روزمرہ کے حالات معلوم کیے تو اس نے بتایا کہ جب میں حضرتؑ کے پاس گئی اور میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہوئی ہوں تو آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جب یہ لوگ میرے پاس موجود ہیں تو پھر مجھے آپ کی کیا ضرورت ہے ؟ میں نے جب اس طرف دیکھا تو جنت زمین پر آراستہ ہے اور حور و غلمان موجود ہیں۔ ان کا حسن و جمال دیکھ کر میں سجدے میں گر پڑی اور عبادت کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اے بادشاہ میں نے وہ چیزیں کبھی بھی نہیں دیکھیں جو قید خانے میں میری نظر سے گذریں۔ بادشاہ ! نے کہا کیا تو نے خواب تو نہیں دیکھا ؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ نہیں میں نے عالمِ بیداری میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اس خاتون کو کسی مخصوص مقام پر پہنچوادیا اور حکم جاری کیا کہ اس کی نگرانی کی جائے تاکہ کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کر سکے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ سندھی مومنہ خاتون تاحیات مشغول عبادت رہی اور جب بھی کوئی اس سے نماز وغیرہ کے متعلق پوچھتا تو وہ جواب میں اس طرح فرماتی تھیں کہ میں نے عبدِ صالح حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو اسی طرح عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ پاکباز عورت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت سے چند دن پہلے وفات پاگئی۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سندی بن شاہک نے امام موسی کاظمؑ کو کھانے یا خُرمہ میں زہر ملا کر دیا تو آپ تین روز تک تڑپتے رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے "چودہ ستارے" کے مصنف نے "تاریخ خمیس" علامہ دیار بکری کی تحریر اور علامہ جامی جلاء العیون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید کے حکم سے یحیی بن خالد برمکی وزیرِ اعظم نے خُرمہ میں زہر دے کر شہید کر دیا۔

حضرت امام رضاؑ کا ایک سندھی شخص اسمعیل سے سندھی میں گفتگو کرنا۔

یہ حقیقت ہے بابِ مدینۃُ العلم حضرت امام رضاؑ اپنے آبائے طاہرین اور پسرانِ

مُطہّرین کی طرح ہر ملک اور ہر قوم کی زبان سمجھتے اور بولتے تھے دور درزا شہروں کے لوگ جب آپکی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ ان سے ان کی مادری زبان میں گفتگو فرماتے تھے اور انکے مسائل کے جوابات انہیں کی زبان میں ارشاد فرماتے تھے ۔ یہاں تک کہ اہلِ زبان پورے مجمع میں اقرار کرتے تھے کہ آپ ہماری زبان کو ہم سے بہتر جانتے ہیں ۔

حکمران سندھ عقاید بنی فاطمہؑ پر کاربند تھے لہذا شیعیت نے سندھ میں مزید فروغ پایا ۔ اس قسم کا حضرت امام رضا علیہ السلام کے زمانے کا ایک واقعہ اور معجزہ کتاب " تحفۃ المسلیمین " فارسی سے اخذ کر کے مرحوم مرزا عباس علی بیگ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ :

اسماعیل نامی ایک سندھی شخص سے روایت ہے کہ " میں نے جب سنا کہ ملک عرب میں ایک امام اور حُجتِ خدا رہتے ہیں تو میں سندھ سے سفر کرتا ہوا مدینہ میں امام رضاعلیہ السلام کی خدمت اقدس میں پہنچا ۔ چونکہ میں عربی زبان سے ناواقف تھا اس لیے امام سے سندھی زبان میں گفتگوشروع کی اور عرض کیا کہ آپ حُجتِ خدا ہیں میں آپ کی زیارت اور آپ کی خدمت سے فیضیاب ہونے کیلئے سندھ جیسے دور دراز ملک سے یہاں حاضر ہوا ہوں ۔ امام نے فرمایا کہ ہاں ہم جانتے ہیں ۔ اس کے بعد میں سندھی زبان میں سوال عرض کرتا رہا اور امام رضا علیہ السلام بھی فصیح و بلغ سندھی میں جواب دیتے رہے ۔ میں حیران رہ گیا اور عرض کی کہ فرزندِ رسول آپ سندھی زبان بھی جانتے ہیں ۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں تو میں کس طرح آپ کا امام ہوا ؟ میں نے دست بستہ گذارش کی کہ یا مولا میں تو عربی زبان نہیں جانتا آپ میرے لئے دعا کریں تاکہ میں عربی بول سکوں ۔ راوی کا بیان ہے کہ جیسے ہی حضرت نے اپنا دستِ مبارک میرے دہن پر پھیرا میں فوراً عربی زبان بولنے لگا کہ وہاں پر بیٹھے ہوئے عرب بھی حیرت زدہ ہو گئے ۔

آخری تاجدارِ سندھ میر محمد نصیر خان ٹالپر کے فرزند میر حسن علی خان ٹالپر جو سندھی زبان کے بلند پایہ مرثیہ گوشاعر گذرے ہیں۔ انہوں نےامام رضاؑ کے مرثیہ شہادت پر مشتمل سندھی زبان میں اپنے مرثیہ میں یہی روایت نہایت خوبصورت انداز میں نظم کی ہے ۔

امام رضا علیہ السلام کے سندھی طلباء

مختلف روایات سے ظاہر ہے کہ کچھ سندھی اصحاب نے آپ کی خدمت میں رہ کر دینی تعلیمات حاصل کر کے اپنا نام روشن کیا، مثلاً فرج سندھی، ابان بن محمد سندھی، خلاد سندھی، بزاز سندھی، ابو خزرج طلحہ بن زید سندھی اور صباح بن نصر، یہ بزرگوار پہلے امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر فیضیاب ہوئے۔ آنحضرتؑ کی وفات کے بعد امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے حلقۂ درس میں شامل رہے۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جو آگے چل کر علامۂ دہر ہوئے اور اپنے فیضانِ علم سے نہ صرف سندھ بلکہ پورے ہندوستان کو سیراب کیا۔

صباح بن نصر کے وہ مسائل جو انہوں نے حضرت امام رضاؑ سے معلوم کیے تھے اہل علم حضرات کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضرت امام رضاؑ کی ایک سندھی نصرانی سے گفتگو

محمد بن فضل ہاشمی سے روایت ہے کہ جب امام موسیٰ کاظمؑ کا انتقال ہوا تو اس وقت وہ مدینے آیا اور امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ اس کے پاس مال تھا آپ کے سپرد کر کے عرض کیا کہ میں بصرہ جارہا ہوں وہاں لوگوں کو امام موسی کاظمؑ کی شہادت کی خبر ہوچکی ہے اور ان میں اختلاف پڑ چکا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے امامؑ کے متعلق سوال کرینگے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ ہدایات دیں تو بہتر ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کے متعلق فکر مند نہ ہو بصرہ وغیرہ کے دوستوں کو جا کر اطلاع دو کہ ہم تین دن کے بعد ان کے پاس آرہے ہیں۔ محمد بن فضل نے بصرہ آکر لوگوں سے حالات دریافت کیے۔ تین دن کے بعد امام رضاؑ، بصرہ میں آئے اور حسن بن محمد کے گھر آپ نے قیام فرمایا اور آپ اشاعت علوم میں مصروف ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ان تمام لوگوں کو بلایا جائے جو محمد بن فضل کے پاس شیعہ موجود ہیں جاثلیق نصاریٰ، راس جالوت اور ان لوگوں کو بلایا جائے جو سوال کرنا چاہتے ہیں۔ تمام لوگ جمع ہوئے انہیں اس بات کی خبر نہ تھی کہ حسن بن محمد نے انہیں کیوں بلایا ہے۔ جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو

امام رضاؑ مسند نشیں ہوئے پر تشریف فرما ہوئے آپ نے فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ سلام کے بعد مسائل کے جوابات دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں آپ کو تمام باتوں سے پہلے یہاں موجود مختلف زبانوں اور لغات سے تعلق رکھنے والوں کا تعارف کرانا چاہتا ہوں کہ یہ شخص رومی ہے یہ سندھی یہ فارسی ہے اور یہ ترکی ہے۔

طویل گفتگو کے بعد آپ کے دربار میں بیٹھے ہوئے جاثلیق امام رضاؑ کی خدمت میں ملتمس ہوا کہ اے فرزند رسول! یہاں ایک سندھی شخص نصرانی المذہب موجود ہے جو سندھی زبان میں احتجاج کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے حاضر کیا جائے وہ سندھی حاضر ہوا. حضرت نے اس سے سندھی زبان میں گفتگو کی پھر انہیں سندھی زبان میں ہجا کر کے کچھ لکھواتے رہے جو کہ نصرانی ادب اور دین سے ثابت تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ ہم نے اس سندھی شخص کو تبطی تبطلہ کہتے ہوئے سنا۔ امام رضاؑ نے فرمایا کہ یہ شخص سندھی زبان میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کر رہا ہے اس کے بعد حضرت نے اس سے حضرت عیسی اور بیبی مریم سے متعلق گفتگو کی حضرت کی گفتگو سے وہ اسقدر متاثر ہوا کہ بے اختیار کہہ اٹھا!

" اشہدان لا الہ الا اللّٰہ واشہدان محمداً عبدہ و رسولہ "

پھر اس نے اپنا جُبّہ اتارا جس کے درمیان زنار موجود تھا عرض کرنے لگا کہ اے فرزند رسول! اسے اپنے دست مبارک سے ٹکڑے ٹکڑے کیجئے۔ حضرتؑ نے عصا منگواکر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس سندھی کو ہم حمام لے آئے اس نے غسل کیا اسے اور اس کے اہل و عیال کو لباس پہنایا گیا اس کے بعد میں ان تمام لوگوں کو مدینہ لے گیا۔

محمد بن فضل مزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ خراسان بلائے جائینگے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔ میں بزرگی اور عزت کے ساتھ بلایا جاؤں گا۔ لوگوں نے حضرتؑ کی امامت کی گواہی دی اور حضرت نے وہ رات ہمارے پاس گذاری۔ صبح کو لوگوں کو الوداع کہا اور مجھے وصیت فرما کر روانہ ہونے لگے۔

میں حضرت کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک گاؤں کے نزدیک پہنچ کر آپ نے راستے کے کنارے چار رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد فرمایا اے محمد! اللہ کی حفاظت میں لوٹ جاؤ۔ آنکھیں بند کرو۔ میں نے آنکھیں بند کیں فرمایا آنکھیں کھول میں نے آنکھیں کھولی تو اپنے گھر کے دروازے پر بصرہ میں موجود تھا۔ اس کے بعد امام رضاؑ کو میں نے کہیں بھی نہیں دیکھا۔ ایامِ حج میں اس سندھی شخص اور اس کے بچوں کو میں مدینہ لے گیا تھا۔

امام رضاؑ کی عمر اور ایک سندھی اسماعیل بن مہران

اسماعیل بن مہران کا بیان ہے کہ میں اور احمد بزنطی ایک دن امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے نکلے اور حضرتؑ کی عمر مبارک کے متعلق تکرار کرنے لگے۔ احمد نے کہا جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو مجھے یاد دلوائیے گا تاکہ میں حضرت کی عمر کے متعلق حضرتؑ سے سوال کروں گا۔ ہم حاضر ہوئے سلام عرض کر کے بیٹھ گئے حضرت نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ عرض کی ۳۹ برس امام علیہ السلام نے فرمایا لیکن میری عمر ۴۳ برس ہے۔

سندھ اور ایران کا شَرف

سندھ میں جب اسلام سایۂ رحمت بن کر آیا تو اس کے ساتھ ساتھ شیعیت بھی سایۂ رحمت بن کر آئی۔ اسلام کے پیروکار علی الاعلان حضرت علی علیہ السلام کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ ایران کے بعد سندھ کو مذہبیت میں اوّلیت حاصل ہے۔ سندھ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ یہاں سندھ میں حضرت علی علیہ السلام نے سب سے پہلے عَلَم بھیجا جس کی وجہ سے سندھ کے ہر گھر، ہر گاؤں، مزار، ہر درگاہ اور ہر امام بارگاہ پر آج علم لگا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہاں کی ایک سندھی خاتون سے حضرت علیؑ نے عقد کیا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا سسرال بھی اسی طرح سندھ میں ہے جس طرح ایران میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا سسرال ہے۔

جس طرح ایران میں حضرت امام رضاؑ کا روضۂ پُرنور ہے تو یہاں سندھ میں مختلف

مقامات پر حضرت علی علیہ السلام کے قدمِ مبارک کے نشانات کے پتھر بھی موجود ہیں جو کہ مرجعِ خاص و عام ہیں۔

سندھ پر طاہرین کی حکومت

شیعان علیؑ کی شمشیرزنی کا مقصد حکومت کا قائم کرنا ہو یا نہ ہو لیکن انہیں اپنی بقا کیلئے پناہ گاہ درکار تھی۔ تقیہ میں رہنے والے ایسے افراد میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو بظاہر خلیفۂ وقت کے حامی و مدد گار تھے مگر درحقیقت ان کے دلوں میں ولائے علی علیہ السلام کی شمع روشن تھی۔ ان میں ابو مسلم خراسانی اور طاہر بن حسین سربرآوردہ ہیں۔ ابو مسلم خراسانی اس سلسلہ میں صفِ اول کے سرداری کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی تلوار نے حقوقِ اہلبیتؑ کی خاطر بنی امیہ کی حکومت کی بنیادیں اُکھیڑ دیں۔ لیکن بنی عباس نے اپنی فتانت سے فائدہ لے لیا اور اولادِ پیغمبرِ اسلام دائرہ محرومی سے آزاد نہ ہو سکی۔ طاہر بن حسین کا کردار اس پیمانہ پر نہ سہی مگر طاہر کی حکمتِ عملی اور سیاست سے محبانِ علیؑ کو گوشۂ عافیت ضرور میسّر آگیا اور وہ بنی عباس کے نشانۂ ستم بننے سے کسی قدر محفوظ رہے۔ ایران اور عراق کی تاریخ افق پر ایک نظر ڈالی جائے تو دو سو برس کی مسلسل سرفروشی کے بعد شیعوں کی پہلی مستقل پناہ گاہ طاہر بن حسین کی حکومت تھی۔ ہارون رشید کے بعد جب امین اور مامون کے درمیان حصول عنان سلطنت کی خاطر کشمکش ہوئی تو طاہر بن حسین، مامون کا طرفدار تھا اور مامون کی کامیابی میں خود اس کی سیاست و فراست اور مدبرانہ شجاعت کو بھی دخل تھا۔ مامون کو بھی احساس تھا لیکن اس نے اپنے لئے بھی خطرہ سمجھا. خود طاہر بھی مامون سے چونکتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے حکمت عملی سے خراسان کی گورنری حاصل کی اور خلیفہ کی جی حضوری سے دور ہوگیا۔

طاہر بن حسین الخزائی شیعہ اور محبِ اہلبیتؑ یقیناً مامون کا وفادار اور قائدِ لشکر تھا لیکن بنی عباس نے اولادِ رسول سے جو سلوک روا رکھا تھا، اسے کوئی محبِ اہلبیت فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ بقول ابن خلدون طاہر خراسان گیا اور ۲۰۹ ھ تک وہاں رہا۔ اسی دوران خلیفۂ وقت کی مخالفت کی ہوا اس کے دماغ میں بیٹھی۔ ایک دن خطبہ دینے کیلئے

منبر پر کھڑے ہوئے تو خلیفہ کیلئے درازیء عمر کی دعا نہیں مانگی اور منبر سے نیچے اتر آئے۔

جنت السندھ کے مؤرخ تحریر کرتے ہیں کہ طاہر بن حسین کی مدد سے مامون نے تخت و تاج سنبھالا۔ سجستان اور سندھ بھی طاہریہ حکومت کے ماتحت تھے۔ جب سلطنت عباسیہ کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی تو انہوں نے خود مختاری کا اعلان کردیا اور وہ بادشاہ کہلانے لگے۔ طاہر بن حسین کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل اُمراء نے ۲۴۹ ھ تک حکومت کی۔ طلحہ بن طاہر عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر، سلطنت عباسی کے تمام شرقی مقبوضات ان کے ماتحت تھے۔ لیکن خراسان، ہرات، سیستان پر ان کی حکومت قائم رہی۔ باقی کابل، غور گردیز، بلوچستان، بلخ، شبرغان، کرغزستان، بدخشاں، سندھ اور ملتان فقط برائے نام ان کے ماتحت تھے۔ طاہر بن حسین، جس کی حکومت تاریخ میں طاہری حکومت کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔، اہلبیتؑ سے عقیدت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ سندھ میں بھی ان کے دوَر میں علومِ اہلبیتؑ کی اشاعت ہوئی اور سادات کرام کو تحفظ ملا۔ تمام طاہری حکمران شیعہ اور محب اہلبیت تھے۔

خاندان صفاریہ کی سندھ پر حکومت

سلطنت عباسی کے زوال سے ہر اس صوبے میں جو عباسی سلطنت کے ماتحت تھا خود مختاری کا ارادہ ہر ذہن میں پرورش پاتا رہا۔ طاہریہ حکومت کے خاتمہ کے بعد حکومت صفاریہ نے عنانِ سلطنت سنبھالی۔ یعقوب بن لیث اور اس کے بھائی عمرو بن لیث سجستان میں تانبے کے برتنوں کا کاروبار کرتے تھے، اس لئے انہیں "صفار" یعنی "ٹھٹھیرا" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس دوَر میں محبان اہلبیت میں سے ایک بزرگ صالح بن نصر کنعانی نے خارجیوں کے مقابلے میں فوج تیار کی۔ اس لشکر نے ابتدائی کامیابیاں حاصل کیں اور آگے چل کر خراسان کا ایک حصہ طاہرین سے خالی کروایا۔ لیکن صالح کے انتقال کے بعد ۲۵۱ ھ میں یعقوب بن لیث حکمران ہوا۔ یعقوب نے پہلے ہرات، اس کے بعد کرمان فتح کیا۔ پھر فتوحات کا یہ سلسلہ انتہائی تیزی سے جاری رکھا کہ اچانک ۲۶۵ ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

اس کے بعد عمرو بن لیث ان کا جانشین ہوا ۔ عمرو بن لیث ، یعقوب بن لیث کا لائق جانشین تھا اور اپنے دل میں بے انتہا محبت اہلبیت رکھتا تھا ۔ سیرت و کردار کے لحاظ سے وہ ایک کامیاب شیعہ جرنیل نظر آتا ہے ۔ نماز پنجگانہ کا پابند تھا ۔ ہر روز نماز فجر کے بعد فوج کی پریڈ لیتا تھا اور لشکر کی ہدایت و ہمت افزائی کے لئے چند کلمات ضرور کہتا تھا ۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک صبح لشکر کی پریڈ لیتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بے ساختہ یہ الفاظ منہ سے نکل پڑے کہ " کاش یہی لشکر روزِ عاشور کربلائے مُعلّیٰ میں موجود ہوتا . . . ؟

عمرو بن لیث خراسان ، اصفہان ، سجستان ، کابل اور سندھ کا حاکم تھا ، صفاریہ خاندان ۲۹۱ ھ تک برسراقتدار رہا ۔ اس کے علاوہ طاہریہ و صفاریہ خاندان کے امراء کا تمام وقت خراسان میں جنگ کے دوران گذرا ۔

صفاریہ خاندان میں عمر بن لیث شیعہ حاکم مانا جاتا ہے ۔ یقیناً اس نے اپنے عقائد کے مطابق سندھ میں شیعہ مذہب کو فروغ دیا ہوگا۔ تاریخ اس کی سند بیان کرنے سے قاصر ہے لیکن فطرتِ انسانی ہے کہ وہ جِس مَسلک سے مُنسلِک ہوتا ہے اسی کے فروغ کے لئے ضرور کوشاں رہتا ہے ۔

سندھ پر ہباری خاندان کی حکومت

۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ ھ میں معتصم باللہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ تخت نشین ہوا ۔ ۲۴ ذوالحج ۲۳۲ ھ میں واثق باللہ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی مُتوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا ۔ ۲۳۵ ھ میں ، ہارون بن ابی خالد مرو روزی سندھ کا حاکم مقرر ہوا ۔ ان دنوں مرکزِ خلافت کمزور ہو چکا تھا اور ہر جگہ مذہبی فرقوں کی باہمی رسّہ کشی اور سیاسی طاقت کیلئے مقابلہ کا بازار گرم تھا ۔ یمانیوں اور نزاریوں کے فساد کی وجہ سے عربی قوت تمام ممالک میں کمزور ہو چکی تھی ۔ خود مرکز خلافت پر ترکیوں کا قبضہ تھا ۔

ہارون بن ابی خالد کو سندھ میں آئے ہوئے ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ سندھ کے عرب قبائل میں فساد شروع ہوگئے ۔ ہارون یمنیوں اور نزاریوں کا توازن نہ رکھ سکا

اور نتیجہ خطرناک نکلا اور ۲۴۰ ھ میں ہارون ، عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں مارا گیا۔

عباسی خلافت ختم ہوتے ہی عمر بن عبدالعزیز ہباری جو عباسیوں کی طرف سے والئ سندھ تھا ۔ ایک طرح سے آزاد حکمران بن گیا مگر خطبہ عباسیوں کا ہی جاری رکھا ۔ اس خاندان کا بانی ہبار بن اسود بن عبدالعزیٰ بن قصی القریشی ، جناب رسالتمآب صلعم کے صحابہ کرام میں سے تھا ۔ یہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو اسد سے تعلق رکھتا تھا ۔ جو ۸ ھ میں مسلمان ہوا اسی کی اولاد سے ایک شخص منذر بن زبیر والئ سندھ حکم بن عوانہ (متوفی ۱۲۱ ھ) کے ساتھ سندھ پہنچا اور سندھ کی سرزمین پر مستقبل سکونت اختیار کی ۔ یہ سندھی عربوں میں سب سے ممتاز تھا ۔ ان کا وطن " بانیہ " تھا جو منصورہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے ۔ یہ خاندان آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور اس قدر قوت اختیار کر گیا کہ ۲۴۰ ھ میں سندھ کی حکومت کا وارث بنا ۔ ان کا تخت گاہ منصورہ مقرر ہوا ۔ ہباریوں کی عراق میں رشتہ داری تھی ۔ وہاں کے قاضی ابوالشوراب کے خاندان کے ساتھ ان کے خاندانی روابط تھے ۔ اسی کا پوتا عمر بن عبدالعزیز تھا جو سندھ کا حاکم ہوا ۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد تمام سندھ کو اپنا باجگذار بنا لیا ، لیکن اس نے بڑی دانشمندی سے اپنی خود مختاری کو خلیفہ پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور بظاہر اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتا رہا کہ وہ خلیفہ کے ماتحت ہے۔ ۲۴۷ ھ میں متعمد علی اللہ نے جب یعقوب بن لیث صفاری کی عرضداشت کی بنا پر اسے طبرستان ، جرجان ، رے ، آذر بائیجان ، کرمان ، سجستان اور سندھ تمام مشرقی ممالک کی ولایت عطا کی تو عمر بن عبدالعزیز بھی یعقوب صفاری کے زیردست آگیا۔

۲۷۰ ھ میں عمر بن عبدالعزیز ہباری کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر اس کا جانشین ہوا ۔ ۲۷۹ ھ میں ابوصمہ ، اس کے بیٹے صمہ نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا ۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن عمر نے طاقت کے بل پر دوبارہ منصورہ کو اس سے چھین لیا اور اپنے وطن بانیہ سے منصورہ میں منتقل ہوگیا ۔ اور منصورہ سادات اور علماء کے فیوض سے سندھ کا نجفِ اشرف اور ایران و عراق بن گیا۔

قرآن مجید کا پہلا سندھی ترجمہ و تفسیر

قدیم تاریخ سے واضح ہے کہ سندھ اور ہند بلکہ عرب و ہند کے ساحلی باشندے مدتوں سے تجارتی سفر کرتے تھے اور دیبل ، سورت ، کھمبات کے بندرگاہوں سے عربوں کے سندھی قوم سے روابط ہونے لگے ۔ اسلام کی توسیع کے ابتدائے دور میں تاجر ، تعلیمات اسلامی کی خبریں لیکر برصغیر میں آچکے تھے اور جب ابتدائی خلافت میں خضدار ، کابل ، ملتان و دیبل اور الور میں مسلمان تاجر اور سیاستدان یا مبلغ فوجی وفود آئے تو انہوں نے قرآن مجید بھی پڑھا اور پوچھنے والوں یا دوستوں کو اس کے معنیٰ و مطالب بھی سمجھائے ۔ اس وقت ان کا لہجہ حملہ آور کے بجائے دوستانہ اور جنگ کے بدلے پیغام پہچانا تھا ۔ آنیوالے مسلمان ، سندھ کے بہت سے علاقوں میں آباد ہوگئے لیکن ان کا مرکز منصورہ ہی رہا ۔

بنی امیہ کے دور میں قطبیہ نامی ایک شخص جو خوشنویس تھااور قرآن مجید کی کتابت کرتا تھا ، اس نے خطِ کوفی کی چار اقسام ایجاد کیں ۔ عباسی دور کی ابتدا میں ضحاک بن عجلان خوشنویسی میں شہرت رکھتا تھا ۔ اس کے بعد اسحق وغیرہ کی کوشش سے تقریباً ایک درجن عربی خط پیدا ہوئے ۔ مثلاً ۔

۱۔ قلم الجایل

۲۔ قلم السجلات

۳۔ قلم الدیباج

۴۔ قلم اسطور مارالکبیر

۵۔ قلم الثلاثین

۶۔ قلم الرنبور

۷۔ قلم المفتح

۸۔ قلم الحرم

۹۔ قلم المدامرت

۱۰۔ قلم العہود

۱۱۔ قلم القصص

۱۲۔ قلم المزماج

مامون کے دنوں میں قلم المرصع ، قلم النساخ اور قلم الریاسی ایجاد کئے گئے ۔ بعد میں قلم الرقاع اور قلم الغبار الحلیہ ایجاد ہوئے ۔ عباسی دوَر حکومت میں خط کوفی تقریباً بیس مختلف اقسام میں لکھا جاتا تھا ۔ ابن مقلہ (متوفی ۳۲۸ ھ) نے خط کوفی سے خط نسخ ایجاد کیا ۔

سندھ میں عربوں کے دوَر حکومت میں مندرجہ بالا دو خط شائع ہوئے ۔ ان میں سے خط کوفی میں قرآن مجید اور دوسرے مذاہب کی کتابیں قلمبند کیں جاتی تھیں ۔ اور خط نسخ سرکاری دفاتر میں استعمال ہوتا تھا ۔ ابتداء میں نو مسلم سندھیوں کو قرآن مجید میں نُقاط و اعراب کے نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں دقت محسوس ہوتی تھی ۔ جس کو دور کرنے کیلئے حجاج بن یوسف نے نصم بن عاصَم سے قرآن مجید کے حروف پر زیر ، زبر ، تنوین وغیرہ لگوائے ۔

۲۷۰ ھ میں عبداللہ ابن عمر بن عبدالعزیز ہباری منصورہ میں حکمران تھا ، سندھ کے ایک ہندو راجہ مہروگ نے عبداللہ کو لکھا کہ مذہبِ اسلام کے عقائد اور تعلیمات پر مبنی ایک کتاب سندھی زبان میں لکھواکر مجھے بھیجی جائے ۔ اس زمانے میں منصورہ میں ایک عراقی عالم رہتے تھے جس کی پرورش منصورہ میں ہوئی تھی ۔ وہ بہت ذہین ، سمجھدار اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں کی مختلف زبانیں بھی جانتے تھے ۔ عبداللہ نے یہ کام اس کے سپرد کیا ۔ عراقی عالم نے عبداللہ کی فرمائش پر ہندو راجہ کیلئے اسلامی عقائد پر ایک منظوم کتاب سندھی میں تصنیف کی ۔ راجہ نے وہ کتاب پڑھی تو نہ صرف اسلام سے متاثر ہوا بلکہ خود مصنّف کی علمی کاوش کا اسقدر معترف ہوا کہ اس نے عبداللہ کو لکھا کہ اس مصنّف کو ہمارے دربار میں بھیجا جائے ۔ وہ عراقی عالم مہروگ کے پاس تین سال تک رہا ۔ ۲۷۳ ھ میں جب عراقی عالم عبداللہ سے ملا تو اس نے بتایا کہ راجہ مہروگ دل سے مسلمان ہوچکا ہے ۔ مگر مخالفت کے خوف سے علی الاعلان منظر عام پر نہیں آ سکتا ۔ اس عالم کا یہ بھی

بیان ہے کہ راجہ نے چھ سو من سونا اسے تین مرتبہ دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ راجہ مہروگ کی فرمائش پر ہی عراقی عالم نے کلام مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔ جس کو وہ بلاناغہ روزانہ سنتا تھا۔ ایک مرتبہ سورۃ یاسین کی اس آیۃ مبارکہ من یحیی العُظام وھی رمیم کا جب اس کو ترجمہ سنایا گیا تو وہ جواہرات سے مرصع سونے کے تخت سے نیچے اتر آیا اور دوبارہ ترجمہ سنکر چند قدم چل کر، زمین پر سجدہ میں گر پڑا اور حالتِ سجدہ میں رونے لگا یہاں تک کہ اس کے رخسار خاک آلود ہوگئے۔ کافی دیر کے بعد جب وہ سجدے سے اٹھا تو بلند آواز میں بے اختیار اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "بیشک وہ ہی رب معبود ہے جو ازلی و ابدی ہے"

پاکستان کا صوبہ سندھ مسلمانوں کی پہلی منزل اور اسلامی علوم کا قدیم مرکز ہے۔ بظاہر حبشی و فارسی زبان کے بعد تیسری زبان جس میں قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر لکھی گئی وہ قدیم سندھی زبان ہے۔ سندھ میں ہباریوں کے دورِ حکومت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے دور حکومت ۲۷۰ھ میں راجا مہروگ نے ایک سندھی عراقی عالم سے قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کروایا۔ یہی وہ ادوار ہیں جن میں بڑے بڑے علماء منصورہ میں سکونت پذیر ہوئے اور ساداتِ کرام کی بہ کثرت سکونت سے منصورہ شیعت کا مرکز بن گیا۔

اس سلسلے میں "جنت السندھ" کے منصف لکھتے ہیں کہ ۳۰۳ھ میں عبداللہ بن عمر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عمر بن عبداللہ ہباری منصورہ میں تخت نشین ہوا۔ مسعودی ۳۰۳ھ میں سندھ میں آیا۔ اس وقت منصورہ پر عمر بن عبداللہ کی حکومت تھی۔ اس زمانے میں مسعودی کو منصورہ میں متعدد سردارانِ عرب اور علوی سادات نظر آئے علویوں کے متعلق مسعودی لکھتے ہیں کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد عمر بن علی اور محمد بن علی کی نسل سے ہیں۔

سندھ میں عید غدیر

زمانۂ خلافتِ عباسیہ اور ایامُ المعتصم میں خلافتِ عباسی کے انحطاط کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ مستکفی باللہ کے دورِ حکومت میں ایک شجاع نامی دیلمی کے بیٹے علی، حسن اور احمد جو

شیعہ تھے ۔ انہوں نے ایسی طاقت حاصل کی کہ ان میں سے علی (عماد الدین) نے فارس پر قبضہ کر لیا ، حسن (رکن الدولہ) نے اصفہان اور طبرستان پر قابض ہوئے اور احمد (معزالدولہ) اپنی طاقت سے بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد " امیر الامراء " کے درجہ پر فائز ہوگئے ، اور ۳۳۴ھ میں مستکفی کو قید کر کے مرکزِ خلافت کے مالک بن گئے ۔ معزالدولہ نے ۱۸ ذوالحج ۳۵۱ھ میں بغداد میں علی الاعلان عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام " عید خم غدیر " رکھا گیا ۔ یہی وہ عید ہے جسے آج تک شیعہ حضرات " عید خم غدیر " کے نام سے بڑے احترام و اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں ۔ اس کے بعد ۳۵۲ھ کی ابتدا میں ابن بویہ نے حکم دیا کہ ایام محرم کی پہلی تاریخ سے روز عاشور تک شہدائے کربلا کے غم میں تمام کاروبار اور سرکاری دفاتر بند رہیں ۔ شہر اور گاؤں کے باشندے ماتمی لباس پہنیں ، عورتیں کالے کپڑے پہن کر ، سر اور منہ پر خاک ڈالیں اور تعزیہ خانوں کے پیچھے سر منہ پیٹتیں ماتم کرتی ہوئی چلیں ۔ یہ تمام رسمیں عام ہوگئیں ۔ حکومت بنی بویہ کی حدود گو کہ ایران اور عراق تک محدود رہیں ۔ لیکن سوا سو برس کے اندر انہوں نے شیعیت کو فروغ دینے کیلئے جو کاروائیاں کیں ان کا اثر سندھ پر بھی بڑے پیمانہ پر پڑا جس کے بعد سندھ کے بڑے بڑے شعراء کے کلام میں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں قصائد ملتے ہیں اور آج بھی ۱۸ ذوالحج کو " عید خم غدیر " بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے اور ایام عزا میں بھی مجالس ، جلوس عزا ، جلوس تعزیہ و ذوالجناح نہایت ہی عقیدت و احترام سے برپا کیئے جاتے ہیں ۔

ایک جائزہ

۲۵۷ھ میں جب یعقوب بن لیث صفاری کا عروج ہوا تو سندھ اس کے ماتحت آگیا ہماری حکومت اس کو لگان ادا کرنے لگی ۔ اسی دوران ملتان میں اسمعیلی حکومت قائم ہو چکی تھی اور عمر بن شیبانی کو ملتان کا حاکم بنایا گیا ۔ جس کے بعد حمید ملتان کا عامل ہوا ۔ فاطمئین مصر نے خلافت کے قائم ہونے کے بعد تبلیغ کا وہ سلسلہ جاری نہیں رکھا اور ہی ان کے داعی مسلمانوں میں شامل ہو کر منطقی طور پر اپنے موقف کو ذہن نشین کراتے ۔ بلکہ انہوں نے ملتان اور منصورہ میں ایک خالص تعداد کو ساتھی و ہمنوا بنا کر بنو سامہ کا

تختہ الٹ دیا۔ بنو سامہ کے متعلق مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ سندھ کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے جن کو اسمٰعیلیوں نے ختم کیا اور اسمٰعیلیوں کو محمود غزنوں نے ۔ ملتان کی اسمٰعیلی حکومت کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں لیکن باطنی طریقہ کار میں تلوار سے زیادہ زبان کا استعمال ہوتا ہے اسی لئے قیاس و گمان یہی ہے کہ اسمٰعیلیوں نے ملتان کی طرح پہلے اہل منصورہ کا ذہن تبدیل کیا اس کے بعد تلوار اٹھائی اور اس طرح منصورہ میں بھی ایک جداگانہ اسمٰعیلی حکومت قائم ہو گئی۔

ان حکمرانوں نے سادات کے مفاد کے لئے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن ان کے زمانے میں شیعیان علی کی زندگیاں محفوظ رہیں ۔ عزائے سید الشھداء ادا کرنے کے لئے پوری آزادی تھی ۔ مجالس و ماتمی جلوس میں اسمٰعیلی برابر سے شریک رہتے تھے ۔

عراق و ایران میں شیعہ حکومتیں وجود میں آگئیں ۔ عباسی خلافت بیحد کمزور ہوتی گئی جو کہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندہ تھی یہی وجہ ہے کہ سادات کی سندھ میں آمد کم ہوگئی لیکن سندھ کے گوشہ گوشہ میں شیعت کے چراغ روشن ہوتے چلے گئے ۔

ان ہی حالات میں دو صدیاں گزر گئیں ۔ اور پھر سامانی حکومت قائم ہوگئی اور انہوں نے خاک پر سبکتگین غزنی کی سلطنت کا ایوان تعمیر کردیا۔ پھر سلجوقین نے بویہیوں، آل حمدان اور بنی مزید کے لاشوں سے گزر کر ایک فاتحانہ نعرہ بلند کیا، سلجوقیوں کی جگہ عماد الدین زنگی نے لی اور زنگیوں کے سہارے پر صلاح الدین نے فاطمین مصر کو پامال کیا۔ شیعوں کیلئے یہ کئی سو برس آزمائش پر مشتمل رہے ۔ جس کا آغاز محمود نے عراق سے کیا اور اب اس کی نظریں سندھ اور ہندوستان پر تھیں جہاں ہندوؤں کی دولت اور شیعوں کی حکومت تھی اور یہی اس کے لئے کشش کا باعث بنیں ۔ لہذا محمود نے پنجاب کو پامال کر کے سندھ پر حملہ کی تیاری شروع کردی ۔

محمود غزنوی

سامانی دوَر حکومت ۳۵۰ھ میں جب ابو صالح منصور بن نوح تخت نشین ہوئے تب غزنوی خاندان کا جدّا علیٰ الپتگین جو منصور بن نوح کی تخت نشینی کے خلاف رائے دے

چکا تھا اور اس وقت خراسان کا گورنر تھا خراسان سے غزنی چلا آیا جو اس زمانے میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا یہاں آکر اس نے اپنی خود مختار ریاست قائم کی۔

سن ۳۵۲ھ میں اس کے مرنے کے بعد پہلے اس کا بیٹا ابو اسحاق اور پھر دوسرے دو ترکی غلاموں تگین اور پیرے نے ۱۴ سال تک یہاں حکومت کی ۳۶۶ھ میں نوح بن منصور سامانی کے حکم سے پیرے نے غزنی کی حکومت الپتگین کے داماد ناصر الدین سبکتگین کے حوالے کردی۔ سبکتگین نے بزورِ شمشیر کابل اور پشاور پر قبضہ کیا۔ نوح بن منصور نے اس خوشی میں افغانستان اور خراسان سبکتگین کے سپرد کردیئے۔ اس نے جہالاوان تک یعنی سیتان، پیشین، سروان اور خضدار فتح کئے۔ نوح نے سبکتگین کے بیٹے محمود کو "سیف الدولہ" کا خطاب دے کر سپہ سالار مقرر کیا ۳۸۷ھ میں سبکتگیں نے ترمذ میں وفات پائی۔

سلطان محمود غزنوی ۳۸۸ھ میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی والدہ کا سیستان کے بلوچ خاندان سے تعلق تھا۔ سلطان محمود نے ۳۹۳ھ سے ۴۱۸ھ تک ۲۲ برس حکومت کی۔ اس عرصے میں اس نے ہندوستان پر ۱۲ مرتبہ حملے کیے کشمیر اور پنجاب فتح کرنے کے بعد ۴۰۹ھ میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ غرضیکہ تمام فتوحات کے انعام میں انہیں دربارِ بغداد سے دربار "امین الملت" اور "یمین الدولہ" کے خطابات و خلعت بمع نقارہ عطا ہوئے۔ اس کے بعد ۴۱۶ھ میں سلطان محمود نے سندھ کا رخ کیا سومناتھ پر بھی بعدازاں حملہ کیا اور پھر سومناتھ کا بت توڑ کر اس میں سے جواہرات اور بیشمار خزانہ اپنے قبضہ میں لے لیا، کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود نے ہندوستان کے حملوں کے دوران بے شمار ہندوں مردوں اور عورتوں کو غلام بنایا جو خراسان اور ایران کی مارکیٹوں اور بازاروں میں فی غلام ڈیڑھ روپیہ میں فروخت ہوئے۔ سلطان محمود ایک لٹیرا اور ظالم حکمران تھا۔ اس نے سومناتھ کو لوٹا اور منصورہ شہر پر قبضہ کیا جہاں قرمطیوں کی آڑمیں شیعوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

محمود غزنوی کا سندھ پر حملہ

محمود غزنوی جسے محمد بن قاسم کی طرح مجاہد اسلام کہا جاتا ہے۔ آل رسول کا دشمن اور

شیعہ مذہب سے متنفر تھا۔ اس نے اسمٰعیلیوں کو ختم کرنے کے لئے یہی راستہ اختیار کیا کہ وہ بے دین ہیں اور ان کا مرکز ملتان ہے۔ حالانکہ ۳۷۵ھ کے دوران جب بشاری مقدسی ملتان میں آیا تو اس نے لکھ دیا کہ ملتان والے شیعہ ہیں اور اذان میں "حی علی الخیر العمل" اور اقامت میں دو مرتبہ تکبیریں کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں تاریخ سندھ کے مصنف عبداللہ غنی نے بالکل صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے خصوصاً قرامطہ (اسمٰعیلی) کے لوگوں کو ناس کرنے اور شیعہ مذہب کو ختم کرنے کے لئے ملتان پر حملہ کیا۔ اس تحریر سے مزید وضاحت ہوجاتی ہے کہ محمود قرامطہ کی آڑ میں شیعہ حضرات کو قتل کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سندھ میں جہاں شیعہ حضرات و سادات کرام رہتے تھے۔ ان کو ختم کرنے کو فخر سمجھتا تھا۔ سندھ میں شیعیت نے بہت فروغ پایا تھا۔ لیکن غزنوی نے اپنے دوَر میں مظالم کر کے شیعیت کو ختم کرنے کے لئے بہت خون بہایا اور حکومت کے زور پر سندھ میں نماز جمعہ کے خطبوں میں اپنا نام پڑھوانے لگا یہ طوفان کی طرح آیا اور لوٹ مار کر کے سندھ سے واپس غزنی چلا گیا۔ کیا یہی فروغ اسلام کا طریقہ ہے؟ کیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی تعلیمات ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! قاتل اور لٹیرے کبھی مجاہدِ اسلام نہیں ہوسکتے۔

۴۰۱ھ میں محمود نے ایک زبردست حملہ کر کے ملتان کو فتح کیا اور وہاں کے باشندوں میں سے کسی کے ہاتھ اور کسی کے پیر کٹوادئے اور بعض کو قتل اور ایک بڑی تعداد کو قید کردیا اور ملتان میں شیعوں کی بنوائی ہوئی مسجد کو برباد کردیا۔

سندھ پر آل شنسب کا قبضہ

شنسب جسکا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں وہ حضرت علیؑ کے دوَر میں مسلمان ہوکر حضرت علیؑ کا عطا کردہ علم لیکر سندھ میں آئے تھے۔ چونکہ غوریوں میں شنسب پہلے شخص تھے جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلئے یہ سارا قبیلہ شنبی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ بنی امیہ کے عہد میں جب اولاد علی علیہ السلام پر تبرّا کی جاتی تھی تو غورستان کے شنسبیوں نے کبھی ایسا نہیں کیا بلکہ اسکے برعکس وہ اہلبیت کی بے انتہا تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔

اسی شنسب کی اولاد میں سے محمد بن سوری شنبی بنو امیہ کے خلاف عباسیوں کی مدد کرکے ابو مسلم خراسانی کا طرف دار بن گیا۔ پھر عباسیوں نے اس خاندان کو بلاد غور کی حکومت سونپی اور جب فاطمین نے عباسیوں کے خلاف سازشیں شروع کیں تب غوری فاطمین کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ قرامطہ نے جب افغانستان میں اپنی تحریک شروع کی تھی تب محمد بن سوری نے سلطان محمود کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ مگر ایک جنگ میں مارا گیا۔ سلطان محمود نے اس کے بیٹے بو علی کو غور کا حاکم مقرر کیا۔

غزنوی سلطنت، سلطان ابراہیم غزنوی کی وفات کے بعد کمزور ہونے لگی۔ حاکم غور عزالدین حسین نے سلطان سنجر سلجوقی سے نیاز مندانہ مراسم پیدا کر کے غزنوی اطاعت سے آزادی حاصل کی۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ فخر الدین مسعود، قطب الدین، محمد، سیف الدین سوری، بہاء الدین سام، علاء الدین حسین، شہاب الدین محمد اور شجاع الدین علی عزالدین کے بعد ۵۴۳ھ میں سیف الدین سوری غور کی حکومت پر تخت نشین ہوا۔

شاہان آل شنسب

۱۔ قطب الدین

۲۔ سیف الدین سوری ۵۴۳ھ

۳۔ علاء الدین حسین جہانسور ۵۴۴ھ

۴۔ سیف الدین محمد ۵۵۶ھ

۵۔ غیاث الدین ابن سام ۵۵۸ھ

۶۔ معزالدین محمد غوری ۵۶۹ھ

۷۔ پویان ۵۹۹ھ سے ۶۰۲ھ تک

غیاث الدین

۵۵۸ھ میں غیاث الدین ابن سام تخت نشین ہوا۔ اس کا بھائی شہاب الدین محمد، جو اس وقت بامیاں میں تھا۔ بھائی کو غور کے تخت پر دیکھ کر واپس فیروز کوہ آگیا۔

غیاث الدین نے بھائی کو تگین آباد اور گرم سیل کی ریاست سپرد کردی ۔ ۵۶۹ھ میں دونوں بھائیوں نے ملکر ترکان عز کو شکست دیکر غزنی پر قبضہ کر لیا ۔ غیاث الدین نے اپنے بھائی کو " معزالدین " کا لقب دیکر غزنی کی حکومت اس کے حوالے کردی ۔ غیاث الدین کے ۵۶۹ھ میں وفات پانے کے بعد شہاب الدین تخت نشین ہوا ۔

سندھ پر سلطان شہاب الدین کا قبضہ

سلطان شہاب الدین اپنے بھائی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا ۔ یہ اپنے بھائی کے ساتھ تخت نشینی سے پہلے بھی سلطنت کے کاروبار میں شریک رہتا تھا ۔ غیاث الدین کے ہی دوَر میں اسمعلیوں اور سومروں نے سندھ اور ملتان پر اپنی حکومت قائم کرنے کی دوبارہ کوشش کی ۔ ۵۷۱ھ میں سلطان شہاب الدین نے اُچ کے مضبوط قلعہ پر حملہ کیا اس کے بعد شہاب الدین نے ریگستان کے راستے گجرات پر حملہ کیا ۔ لیکن وہاں شکست کھانے کے بعد سندھ پر علی کرماخ کو نائب مقرر کر کے غزنی کی طرف چلا گیا ۔ ۵۸۲ھ میں غزنوی خاندان کے فرمانروا خسرو ملک بن خسرو شاہ سے لاہور فتح کر کے انہیں قید کر کے غزنی کی طرف لے گیا جہاں خسرو ملک نے وفات پائی ۔ سلطان نے لاہور کی حکومت بھی سندھ کے والی علی کرماخ کے سپرد کردی ۔۔

شنسبی حکومت جب ختم ہوئی تو اس کی جگہ غور کی سلطنت قائم ہوئی اور سلطان غیاث الدین نے اعلان کیا کہ غور ، آل رسول کا دشمن نہیں بلکہ دوست ہے ۔ کیونکہ تبرا میں غزنی دمشق کی پوری تقلید نہیں کر سکا ۔ دمشق میں ستر ہزار منابر سے حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کی شان میں گستاخی کی جاتی تھی ۔ غزنی میں فقط ایک محفل منعقد کی گئی تھی جس میں نام لیکر لعنت کی جاتی تھی ۔ لیکن یہاں پر سلطان محمود اور شہاب الدین غوری کا موازنہ کیا جائے تو دونوں میں یہ فرق نمایاں نظر آئے گا کہ ایک کے دل میں علیؑ کی دشمنی کی آگ جل رہی تھی اور دوسرے کی دل میں علیؑ کی محبت کا ماہتاب روشن تھا ۔ اسی بات کو تاریخ فرشتہ کے مصنف نے بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے ۔ کہ اہل غور حضرت علیؑ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ہو چکے تھے اور بنی امیہ کے زمانے میں جب تمام

اسلامی ملکوں میں خاندانِ حضرت علیؑ سے تبرا کیا جاتا تھا تو غور ہی وہ قابلِ فخر مقام تھا جہاں کے باشندے اہلبیتِ رسالت کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کرتے تھے۔

سندھ پر غلام سلاطین کی حکومت

۶۰۲ھ میں سلطان شہاب الدین کے لاولد فوت ہوجانے کے بعد قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا۔ شہاب الدین کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اس نے اپنی زندگی میں سلطنت اپنے تین ترکی غلاموں میں تقسیم کردی۔ ان میں تاج الدین یلدوز کو غزنی، قطب الدین ایبک کو لاہور اور دہلی اور ناصرالدین قباچہ کو سندھ اور ملتان دیئے۔ شہاب الدین کے بعد اس کا بھتیجا محمود، فیروز کوہ کے تخت پر بیٹھا جس نے قطب الدین کو خلعت روانہ کر کے سلطان کا لقب دیا۔ فیروز کوہ سے آل شنسب کے باقیات الصالحات میں سے کچھ لوگ اثنا عشری عقیدہ کے حامل تھے اور باقی خلافت کے قائل، لیکن حضرت علیؑ کی افضلیت کو مانتے تھے اور خلافت علی علیہ السلام کے بعد فقط اہلبیتؑ کا سلسلہ ان کا مرجع عقیدت تھا قطب الدین کا بھی وہی مسلک تھا اس کے ساتھ رہ جانے والوں میں اثنا عشری بھی تھے اور خلفائے راشدین کو ماننے والے بھی۔

شمس الدین التمش

قطب الدین ایبک کا شمس الدین التمش غلام اور داماد تھا۔ ۶۰۷ھ میں یہ آرام شاہ کی معزولی کے بعد دہلی میں تخت نشین ہوا۔ ۶۲۴ھ میں شمس الدین التمش نے ناصر الدین قباچہ کی سرکوبی کے لئے سندھ اور ملتان پر فوج کشی کی۔ قباچہ اس خوف سے دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا۔ اس سے پہلے کچھ دن اس نے اپنے بیٹے ملک علاء الدین بہرام شاہ کو سلطان التمش کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ناصر الدین قباچہ کی وفات کے بعد اس کی دولت اور خزانہ التمش کے پاس بھیجدیا گیا۔ سلطان التمش نے دیبل کی بندرگاہ سے لیکر پورے ملک پر قبضہ کر کے اپنے عامل مقرر کئے۔ اس بات کے بعد یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ التمش ایک عالم و فاضل و درویش صفت فرمانروا تھا۔ یہ تھا تو حنفی عقیدہ کا پابند مگر محبت اہلبیتؑ بھی رکھتا تھا۔ اسی کی بیٹی رضیہ سلطانہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ

شیعہ مذہب اختیار کر چکی تھی ۔لیکن اس زمانے میں عقائد کے فرق نمایاں نہ تھے ۔ ایام محرم میں سب مل کر عزاداری کرتے تھے اور فرزندِ رسول کی تعزیہ داری کو جزو ایمان سمجھتے تھے ۔

اسماعیلی سلطنت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل نہایت ذکی و ذہین و فطین عابد و زاہد تھے ۔ آپ امام عالی مقام کے بڑے فرزند تھے اور اپنے والدِ محترم کی زندگی میں ہی بہ مقام عریض انتقال کیا ۔ یہ مقام مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے ۔ وہاں سے ان کی لاش کاندھوں پر مدینہ لائی گئی ۔ جناب امام جعفرؑ صادق کو ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا ۔ لاش کو کندھا دینے میں شریک تھے ، راستے میں اکثر ان کا منہ کھول کر دیکھتے تھے اور لوگوں کو بھی دکھاتے تھے ۔ حضرتؑ نے لاش کو جنت البقیع میں لا کر دفن کیا ۔ چونکہ آپ اولادِ اکبر تھے اس لئے حضرتؑ کو ان سے بیحد محبت تھی ۔ لہذا ان کے شیعوں کو جو مدینہ سے دور رہتے تھے یہ گمان ہوا کہ وہ جناب جعفرؑ صادق کے مقرر کردہ جانشین تھے ۔ جناب جعفر صادقؑ کی رحلت پر شیعہ دو گروہوں میں منقسم ہوگئے ۔ ایک وہ جو جناب جعفر صادقؑ کے بعد امام موسیٰؑ کاظم کو ان کا جانشین اور اپنا امام ماننے لگے اور دوسرے وہ جو حضرت اسماعیل کی موت کے قائل تھے لیکن ان کے فرزند محمد کو جانشینِ امام جعفر صادقؑ سمجھنے لگے ۔ پھر ان کے فرزند عبداللہ الرضی اور ان کے صاحبزادے احمد الوفی اور ان کے بیٹے حسین تقی الجبیب اور ان کے فرزند عبید اللہ المہدی ہوئے جو افریقہ میں سلطنت فاطمیہ کے بانی ہیں ۔ اسی فرقہ کو اسماعیلہ کہتے ہیں ۔ عبید اللہ مہدی نے جہاں تمام ممالک اسماعیلیہ میں اپنے داعی بھیجے تھے وہاں سندھ میں ۲۷۰ھ میں بعہد عبداللہ بن عمر ہباری والئی سندھ ایک داعی ہیثم نامی بھیجا ۔ یہ اسماعیلیوں کا پہلا داعی ہے ۔ ان کا مرکز اس وقت کے ایک مقام " سلمیہ " میں تھا ، تمام احکامات اسی جگہ سے جاری ہوتے تھے ۔ مہدی نے جب افریقہ پر تسلط قائم کر لیا تو قیروان اور پھر مہدیہ مرکز بن گئے ۔ سندھ میں اسماعیلیہ داعی یکے بعد دیگر آتے رہے اور خاموشی سے ملک میں انقلاب

لانے کی کوشش کرتے رہے ۔ لیکن منصورہ میں انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس طرح سندھ میں ۲۷۰ھ سے لیکر ۴۱۸ھ تک حکومتِ فاطمیہ اپنے داعی بھیجتی رہی ۔

گو یہ خاندانِ فاطمی شش امامی مذہب کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ اسمعیلی کہلاتے ہیں ۔ اور بعض ان میں اثنا عشری بھی ہوئے ہیں ۔ مگر اہلبیتؑ رسول کے طریقے کو انہوں نے تقویت بخشی ۔ فضائلِ امیرالمومنین اور علوم خمسہ نجباء خوب نشر کیے ۔ عزاداری وسیع پیمانے پر قائم کی اور علی ولی اللہ کی صدائیں اکثر ممالک کی فضاؤں میں گونجتی رہیں ۔

سلاطین فاطمی کے ادوار میں حاکم وقت ایک فاخرہ پوشاک پہن کر شان کے ساتھ بروز عید غدیر دربار لگاتا تھا ، ارکان سلطنت وزراء و علماء ، قاضی اور عوام الناس کیلئے فرش بچھائے جاتے تھے ۔ قاضی اپنے مقام پر بیٹھا تھا ۔ اس کے آس پاس علماء تشریف رکھتے۔ ان کے بعد امراء ان کے بعد فوجی سپاہ اور پھر عام لوگ بیٹھتے تھے ۔ ایک منبر رکھا جاتا تھا جس پر خطیب جا کر وہی خطبہ پڑھتا جو جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم غدیر اونٹوں کے پالانوں کے منبر پر پڑھا تھا ۔ اور وہی یوم غدیر والے واقعات بیان کرتا تھا الغرض امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اعلانِ خلافت کی یادگار منائی جاتی تھی ۔ جب خطیب منبر سے واقعات غدیر بیان کر کے اترتا تو دو رکعت نماز ادا کی جاتی اور بعد از نماز لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے اور باہم مصافحہ کر کے گھروں کو لوٹتے تھے ۔ اس دن فقراء و مساکین کو روپے خیرات کئے جاتے ، ارکان حکومت امراء و فوجی سرداروں تک کو انعامات تقسیم کئے جاتے ۔ اساتذہ مدرسین علماء کو عطیات دیئے جاتے ، بادشاہ کی تقلید میں امراء و وزراء بھی فیاضی کرتے اور لوگوں کو بخشیشوں سے نوازتے ۔ اسی طرح پنجتن پاک علیہم السلام کے ایام ولادت پر مسرتوں کا اظہار کیا جاتا اور اموالِ کثیر بطور عطیہ تقسیم کرتے تھے ۔ ایامِ عاشورہ حزن و ملال کے لئے مقرر تھے ۔ ان دنوں میں مجالس منعقد کی جائیں اور واقعات شہادت بیان کئے جاتے ۔ روز عاشورہ بازار بند اور کاروبار معطل رہتا تھا ۔ عزادران سید الشہدا علیہ السلام ماتمی لباس میں نوحے پڑھتے ہوئے گلیوں ، بازاروں اور سڑکوں پر جلوس کی شکل میں چلتے اور

گریہ وبکا کرتے تھے ۔ اکثر اوقات فاطمی خلیفہ خود بھی ننگے پاؤں شاملِ جلوس ہوتا اور خود مجلس پڑھتا اور واقعات کربلا کے متعلق اشعار پڑھتا پھر دسترخوان بچھایا جاتا جس پر معمولی غذا رکھی جاتی تاکہ فاقہ کشی ہو سکے ۔ سلطنت فاطمی کے دوَر میں فقہا کی مجالس بھی سرگرمِ تبلیغ رہتیں فقہی مسائل بیان کئے جاتے اور طلباء و سامعین میں بہت سا مال تقسیم کیا جاتا تھا ۔

غرضیکہ سلاطینِ فاطمی خود بھی پابند مذہب تھے ۔ اور لوگوں کو پابندیء مذہب کی ترغیب دیتے عیاش اور لہو و لعب میں مشغول رہنے والے نہ تھے ۔ اسلامی ذہن کے آدمی تھے ، شاندار مسجدیں اور عظیم الشان امام باڑے تعمیرکرائے جنہیں مشہد الحسین کہتے تھے ۔ قاہرہ میں ایک قابل دید اور عظیم الشان روضہ بھی ہے روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک وہاں مدفون ہے ۔

فاطمی خلفاء خود بھی اہل علم اور مربی علوم تھے ان کے دوَر میں ایک بے نظیر اور عالی شان کتب خانہ تھا ۔ سولہ لاکھ کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویسوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نفیس جلدوں سے مزیّن وہاں موجود تھیں ۔ جوکہ ہر فن اور ہر فرقہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں سے تھا ، ابن مقلہ اور ابن بواب کے لکھے ہوئے قطعات اور قرآن شریف سب سے بلند جگہ رکھے ہوئے تھے ۔ شفاخانے ، مدرسے مسجدیں ، امام باڑے رفاہ عام کی دوسری بہت سی عمارتیں اور اوقاف مدتوں تک ان کی یادگار رہے ۔ ان کے خزانے جواہرات سے بھرے رہتے اور سیم و زر کے انبار جمع رہتے، ان خزانوں میں ایسی یگانۂ روزگار چیزیں تھیں جن سے دوسرے خزانے عموماً خالی ہوتے ہیں ۔ سخاوت و فیاضی کا یہ حال تھا کہ مردوں ، عورتوں اور بچوں کو ہر موسم میں تمام کپڑے حتیٰ کہ رومال تک تقسیم ہوتے ۔ جبکہ چھ لاکھ دینار سے زیادہ مالیت کا کپڑا گرمی جاڑے میں تقسیم ہوتا تھا۔

بالخصوص شانِ شاہانہ یہ تھی کہ دارالسلطنت قاہرہ عالی شان عمارتوں سے مزین تھا ۔ سڑکیں اور محل بکثرت تھے ۔ خلیفہ کا خاص محل بارہ ۱۲ قبہ دار عمارتوں پر مشتمل ۔ قاہرہ

کے مشرقی حصہ میں تھا ۔ اور قصر الکبیر المشرقی اور قصرالمعزی کے نام سے مشہور تھا ۔ اس کے دس دروازے تھے جن پر پانچ سو سوار اور پانچ سو پیادوں کا پہرا رہتا ۔ ساکنان محل کی ضرورت بہم پہنچانے کے لئے بارہ سو خدمت گار تھے بذریعۂ سرنگ دوسرے عالی شان محل سے رابطہ تھا ۔ جو کہ شہر کے مغربی حصہ میں دریائے نیل پر واقع تھا اور قصر الغربی یا قصر البحر کے نام سے مشہور تھا ۔ علاوہ ازیں خلیفہ کے متعدد محل شہر کے اندر و باہر تھے ۔ امیروں کے محل شاہی محلوں کی طرح رفیع الشان تھے ۔ ان کے محلوں کے آس پاس باغات تھے ، ان محلوں کی شانِ پائیداری اور باغوں کی کثرت دیکھ کر یورپ کے سیاح دنگ رہ جاتے ۔ ان کے عہد میں علوم و فنون نے بہت ترقی کی ، ہر علم و فن کے ماہر استاد پیدا ہوئے ۔

قاہرہ آج بھی مصر کا دارالحکومت ہے جس کی بنیاد اولاد جناب سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی ہے ۔ یہ بنت رسول الثقلین کے فرزندوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے اور جامع الازہر جو آج بھی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے ۔ جنابِ بتول ام الحسنینؑ اور جنابِ امیر علیہ السلام باب مدینۃ العلم کے فرزندوں کا تعمیر کیا ہوا ہے اور سادات کرام اولاد علیؑ کا جاری کیا ہوا مدرسہ ہے جس پر اسلامی دنیا آج نازاں ہے ۔ کوئی زمانہ تھا کہ اس میں علوم اہلبیت علیہم السلام کا پڑھنا پڑھانا متروک ہوگیا تھا۔ مگر اب پھر سے فقہ جعفریہ کی تعلیم امام جعفرؑ کی اولاد کی بنائی ہوئی عظیم الشان درس گاہ جامع ازہر میں لازمی قرار دی گئی ہے ۔ اب فقہ جعفریہ پڑھنے اور پڑھانے والے موجود ہیں ۔

آگے چل کر اسی فرقہ میں دو گروہ ہوگئے ۔ ایک فرقہ اسماعیلی خواجہ کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا اثنا عشری خواجہ کے نام سے .اسماعیلی خواجہ چھ اماموں کی امامت کے قائل ہیں اور اثنا عشری خواجہ بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہیں ۔ سندھ میں سومرا دور حکومت میں کئی حکمران ایسے تھے جو اثنا عشری کہلاتے تھے ایسی وضاحت ہم نے آنے والے صفحات میں " سندھ میں سومرہ خاندان کا دوَر حکومت " کے عنوان سے شامل باب میں کیا ہے ۔

سندھ پر سومرہ خاندان کا دور حکومت

سندھ میں جن دو خود مختار قبیلوں نے حکومت کی ان میں سے ایک سومرا اوردوسرا سما خاندان کہلاتا ہے ۔ غزنویوں کی حکومت کمزور ہونے کے بعد جس مقامی قبیلے نے سندھ پر قبضہ کیا وہ سومرا کہلاتے ہیں ۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق کے دور میں جو دوسرا مقامی قبیلہ برسر اقتدار آیا ۔ وہ سما کہلوانے لگے ۔ ان دونوں قبائل کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے ۔ خصوصاً سومرا خاندان کے متعلق کہ ان کی قومیت کیا تھی اور ان کا مذہب کیا تھا ۔

مولانا ابو ظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق سومرا خاندان نسلی طور پر مسلمان تھا اور برسوں سے سندھ میں رہنے کی وجہ سے سندھی کلچر میں رچ بس گیا تھا اور ان کے نام بھی مقامی تہذیب سے متاثر تھے ۔ منصورہ میں غزنوی طاقت کمزور ہونے سے جب اسمٰعیلیوں نے غلبہ حاصل کیا تو ان کے شیخ کا نام " سومرو " تھا لہذا حکومت اسی کے نام سے منسوب ہوگئی ۔

اس سلسلے میں " تحفتہ الکرام " کے مصنف میر علی شیر قانع کا بیان ہے کہ دلوارئے امرانی کا بھائی چھٹو جب بھائی کے مظالم سے تنگ ہوا اور بھائی کی نحوست سے اروڑ شہر کی ویرانی اور بھانبھرا (برہمن آباد) کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تو بغداد جا کر بہ تعاون خلیفہ سے سید علی موسوی کی سرکردگی میں سامرہ کے ایک سو عرب باشندے سندھ میں لیکر آیا ۔

مندرجہ بالا بیان کے مطابق چٹھو امرانی جو سید علی موسوی کی سرگردی میں ایک سو عرب سندھ میں لے کر آیا تھا تو یہ سید اثناء عشری تھا اور سامرہ کے شہر سے جو عرب آئے تھے وہ شہر سامرہ بھی شیعیت کا مرکز تھا ۔ چنانچہ "تاریخ شیعہ" کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے والد ماجد کے ساتھ سامراہ میں آئے اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سامرہ میں بھی کافی تعداد میں شیعہ ہیں ۔ "تحفتہ الکرام" سندھی ترجمہ کے فوٹ نوٹ پر مخدوم امیر احمد رقمطراز ہیں کہ یہ قوم اصل میں عرب قوم ہے جو

حجاج کے دنوں میں فتح سندھ کے دوران عراق کے سامرہ (سرمن رائے) شہر سے چل کر سندھ میں آکر رہے پھر انہیں سامری کہا جاتا ہوگا جو بگڑ کر سومرا ہوگیا ہے۔

ایک اور روایت جو "جنت السندھ" کے مصنف نے "تاریخ طاہری" کے حوالے سے پیش کی ہے کہ دلورائے کا بھائی چٹھو امرانی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا اسنے قرآن شریف بھی پڑھا تھا۔ بالآخر حج کرنے کے ارادے سے مکہ گیا جہاں فاطمہ نامی ایک نیک بخت لڑکی سے شادی کر کے واپس سندھ میں آگیا۔

ابو ظفر ندوی لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی کی فتح سے قبل ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت تھی اس کے متعلق بشاری مقدسی لکھتے ہیں:

ملتان والے شیعہ ہیں اذان میں " حی علیٰ خیرالعمل " کہتے ہیں اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں۔

مقدسی کی اس شہادت سے معلوم ہوگیا کہ ملتان والے اسمٰعیلی نہیں بلکہ شیعہ اثناء عشری تھے اور سومرہ ان کے ہم مذہب۔ " حی علیٰ خیر العمل " اذان میں تو شیعہ اثناء عشری ہی کہتے ہیں لہذا ماننا پڑے گا کہ سومرہ اسمعیلی نہیں بلکہ اثناء عشری شیعہ تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دشمن آل محمدؐ، محمود غزنوی نے ملتان میں بہت سے شیعہ حضرات کو تہہ تیغ کیا۔

سومرہ خاندان کے مذہب کے متعلق ہمیں ایک روایت سندھ کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی تصنیف " سومرن جو دؤر " میں ملتی ہے جس سے سومروں کے مذہب کا معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ سومروں کا سلسلہ اہل عرب سے ملتا ہے اس کے علاوہ ان کا دوسرا کوئی نسب کہیں نہیں ملتا۔ ان کے عربی نسل ہونے سے متعلق مندرجہ ذیل نشاندہیاں ملتی ہیں۔

پہلی یہ کہ سومرا حضرت علیؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا (عرب) قبیلہ معرکۂ کربلا میں امام حسینؑ کی حمایت میں لڑا۔ اور ماسوائے ایک عمر رسیدہ مرد اور اس کی پیرسن زوجہ کے سب مارے گئے۔ ان کا ایک چھوٹا سا بچہ سومر نامی تھا۔ اسے

بھی ماں نے امام حسینؑ کے سامنے پیش کیا کہ بیشک وہ بھی آپ پر قربان ہو جائے جس پر امام حسینؑ نے دعا کی کہ یہ جیئے اور صاحبِ اولاد ہو اسی سومر نامی شخص کی اولاد سومرا سردار کہلائے۔

دوسرے یہ کہ سومرو کا پہلا بڑا دادا جو کسی عرب خاندان کا تھا اور حضرت علیؑ کی اولاد میں سے حسینی نسل کا تھا وہ مکہ میں پیدا ہوا بعد ازاں سندھ آیا اور بڑا ہو کر یہیں سکونت اختیار کی۔

سومرہ بنیادی طور پر مسلمان تھے نہ کہ نو مسلم، ابن بطوطہ کا حوالہ دیتے ہوئے ابو ظفر ندوی لکھتے ہیں کہ " اس کے بعد ہم جتانی پہنچے جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے جس میں خوشنما بازار ہیں یہاں کے باشندے وہ لوگ ہیں جنکو سامرہ (سومرہ) کہتے ہیں وہ اور ان کے بزرگ یہاں تب آباد ہوئے جب حجاج کے زمانے میں سندھ فتح ہوا " جیسا کہ مؤرخین لکھتے ہیں۔

آگے چل کر ابو ظفر ندوی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ "یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سومرہ ہندو راجپوت نہ تھے بلکہ عرب تھے جو ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے اور پشت در پشت یہاں رہ کر ہندی نژاد بن گئے جس کی مناسب ترین مثال ہندوستانی سادات ہیں"۔

مرحوم مرزا عباس علی بیگ لکھتے ہیں کہ " سندھ کے نو مسلم سومرا جن میں سے بعض شیعہ ہو چکے تھے۔ جن کی بدولت منصورہ کے حکمرانوں میں سے بھی چند شیعہ اثناء عشری ہوئے ہیں جنہیں محمود غزنوی نے تعصب کی بنا پر تہہ تیغ کروا دیا"۔

سومرا خاندان کا احوال ابتک تاریکی میں ہے ان کے متعلق تفصیل سے معلومات فراہم کرنا نہایت ہی مشکل ہے مگر پھر بھی مذکورہ تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سومرہ حکمران اسمٰعیلی نہیں بلکہ اثناء عشری شیعہ تھے۔ ان کے عہدِ حکومت کے متعلق جو کچھ معلومات ہمیں مختلف کتبِ تاریخ سے ملتی ہیں وہ یہ ہیں

جب غزنوی سلطنت باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی اور سلطان

عبدالرشید کی عیاشی اور آرام طلبی کی وجہ سے سرحدی علاقے خودمختاری حاصل کرتے جا رہے تھے تو ایسے میں ۴۴۴ھ کو سندھ میں سومرہ خاندان کی مستقل حکومت کاکی بنیاد پڑی۔ سومرا خاندان کے ازار نے تھری میں جمع ہو کر سومرہ نامی شخص کو سندھ کا حاکم بنایا۔ سومرہ نے بڑے تزک و احتشام سے سندھ پر حکومت کی اور فسق و فساد کرنے والوں کا قلع قمع کیا اس نے قریبی علاقہ کے ایک طاقتور زمیندار صیاد نامی کی بیٹی سے شادی کی تھی جس سے انہیں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بھونگر رکھا، جو سومرہ کے بعد تخت نشین ہوا۔ سومرہ نے ۴۴۶ھ میں وفات پائی۔

سندھ پر ۴۴۵ھ سے لیکر ۸۳۱ھ تک تقریباً چار سو سال تک بیس سومرا حکمرانوں نے حکومت کی جن کی تفصیل تاریخ سندھ کی مختلف کتابوں میں درج ہے۔

سومروں کے پہلے حاکم سومرہ کی حکومت کا زمانہ طویل ہے۔ ۴۴۶ھ میں اس کا انتقال ہوا اس خاندان کی حکومت دریائے سندھ کے کنارے پہلے ہی سے قائم تھی۔ جس میں منصورہ کی شمولیت سے سلطنت کی وسعت بڑھ گئی۔ مسلم دوَر میں یہ سندھی شیعہ حضرات کی پہلی حکومت تھی جس کو وطن پرست ہندوؤں نے بھی قبول کیا۔ سومرہ حکمرانوں کے دور میں شعیت کو فروغ ملا اور کوئی بھی ایسی پابندی نہیں لگائی گئی جس سے محبان آل رسول دل گرفتہ ہوں۔ سومرا حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے

۱۔ سومرہ (۴۴۵ھ)
۲۔ بھونگر (۴۴۶ھ ۔ ۴۶۱ھ)
۳۔ دودو (۴۶۱ھ ۔ ۴۸۵ھ)
۴۔ سنجر (۴۸۵ھ ۔ ۵۰۰ھ)
۵۔ خفیف (۵۰۰ھ ۔ ۵۳۳ھ)
۶۔ عمر (۵۳۳ھ ۔ ۵۷۳ھ)
۷۔ دودو ثانی (۵۷۳ھ ۔ ۵۸۷ھ)
۸۔ پاتھو (پنہوں) (۵۸۷ھ ۔ ۶۰۰ھ)
۹۔ خیرو (۶۲۰ھ ۔ ۶۳۶ھ)
۱۰۔ محمد تور (۶۳۶ھ ۔ ۶۵۱ھ)
۱۱۔ خیروثانی (۶۵۱ھ ۔ ۶۵۲ھ)
۱۲۔ دودو ثالث (۶۵۳ھ ۔ ۶۷۷)
۱۳۔ طائی (۶۷۷ھ ۔ ۷۰۰ھ)
۱۴۔ چنیسر (۷۰۰ھ ۔ ۷۱۸ھ)
۱۵۔ بھونگر ثانی (۷۱۸ھ ۔ ۷۳۳)
۱۶۔ خفیف (۷۳۳ھ ۔ ۷۵۱ھ)

۱۷۔ دودو چہارم (۷۵۱ھ ۔ ۷۷۶ھ) ۱۸۔ عمر (۷۷۶ھ ۸۱۰ھ)

۱۹۔ بھونگر ثالث (۸۱۱ھ ۸۳۱ھ) ۲۰۔ ھمیر ۸۳۱ھ

سومرہ دوَر حکومت میں کچھ برگزیدہ بندگانِ خدا کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے عبادت الہٰی کے ساتھ ساتھ تبلیغِ اہلبیتؑ رسالت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اپنے آپ کو محبِ اہلبیتؑ ظاہر کرنے سے گریز نہیں کیا ۔ان بزرگوں میں شیخ موسیٰ آہیدانی ، ہفت عفیفہ (ستیون) ، سید راجو قتال اور عارف بلوچ قابل ذکر ہیں ۔

تغلق دور میں ہندوستانی بزرگوں میں سے شیخ موسیٰ آہیدانی (عہد سلطان علاؤالدینِ) سندھ میں وارد ہوئے اور اہلبیتؑ اطہار علیہم السلام کے عظمت و فضائل کی کوچہ بکوچہ تبلیغ کی ان کی وفات کے بعد آپ کی کرامتیں ظاہر ہوتیں رہیں آپ کا مزار ساگری ندی کے کنارے پر واقع ہے ۔ یہ بزرگ تبلیغِ اہلبیتؑ رسالت میں بیحد شہرت رکھتے تھے ۔

"منتخب التواریخ" کی روایت کے مطابق ہفت عفیفہ (ستیون) یعنی سات پاکدامن بیبیاں سومرا خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ۔ علاؤ الدین بادشاہ کے زمانے میں سومروں کے خوف سے چھپ گئیں ۔ اور فرار ہونے کے دوران قافلہ سے بچھڑ گئیں ۔ شاہی فوجوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان تک پہنچ گئے ۔ جب انہیں اپنی گرفتاری کا یقین ہوا تب انہوں نے اللہ سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیکر مدد مانگی ۔ خدا کی قدرت سے زمین شَق ہوگئی اور یہ بیبیاں اس میں داخل ہوگئیں ۔ سپاہیوں نے قریب آکر دیکھا تو بیبیاں غائب تھیں مگر ان کے سر کی چادر کا ایک ٹکڑا بطور نشانی باہر رہ گیا ۔ ان پاکدامن بیبیوں کے غائب ہونے کی جگہ ساموئی میں ہے جہاں عورتیں ان کی زیارت کو آتی ہیں ۔

اسی دور کے ایک بزرگ سید جلال الدین ، کامل ولی گذرے ہیں یہ اپنے دو بیٹوں سید علی اور سید جعفر کے ساتھ جب ملتان سے بکھر آئے تو انہیں جناب رسالتمآبؐ نے حکم دیا کہ سید بدر الدین کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے شادی کرو ۔ اس طرح خواب میں سید بدرالدین کو بھی جنابِ رسولِ خدا کا ارشاد ہوا ۔ کچھ عرصہ کے بعد سید جلال الدین سے اس نے رشتہ داری کا شرف حاصل کیا ۔ بعد میں یہ اوچ روانہ ہوگئے

جہاں انہیں فرزند پیدا ہوئے ۔ سید جلال الدین کو چار بیٹے ہوئے سید علی ، سید جعفر ، سید محمد غوث اور سید احمد کبیر ۔ سید احمد کبیر کو دو بیٹے ہوئے ایک مخدوم سید جلال جہانیاں اور دوسرا سید راجو قتال ان دونوں کا شمار بزرگان دین میں ہوتا ہے ۔

سید راجو قتال بن سید احمد کبیر بن سید جلال " بڑا بخاری " عجیب و غریب حال اور کمال کے مالک ہیں ۔ ان کی صحبت سے بہت سے طالبان رشد و ہدایت فیضیاب ہوئے جن میں ایک سندھ کے بلوچ عارف ہیں ۔ جو واقعی اسم با مسمیٰ ہیں ۔ سید قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث اپنی کتاب "مجالس المومنین" میں لکھتے ہیں کہ سندھ کے بلوچ اکثر شیعہ ہیں اور اہل ایمان کو دوستانِ علی میں شمار کرتے ہیں ۔ سید راجو قتال بخاری سندھ میں اکثر شیعہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کی اولاد امجاد بھی ابھی تک اسی تبلیغ میں مشغول ہے ۔ سید راجو کا اصل نام سید صدر الدین ہے جو اوچ شریف سے آکر سندھ میں رہنے لگے اور ۱۸ جمادی الآخر ۸۲۷ھ میں وفات پائی سید راجو قتال کے شاگردوں میں سے عارف بلوچ بھی ایک محب اہلبیتؑ اور شاعر تھے جنابِ علیؑ کی محبت میں ان کی ایک رباعی مشہور ہے ۔

عارف بر تیرنی زنگئے خواہم کرد
وز رشتئہ جاں خصم پئے خواہم کرد
بر سینئہ دشمن علی خواہم زد
شنجرف زخون دل وئے خواہم کرد

سندھ پر سمّا حکمرانوں کا دوَر حکومت

سندھ میں سومرا حکومت کے خاتمہ کے بعد سما حکومت کا دور شروع ہوتا ہے ۔ سما حکمران جب برسراقتدار آئے "جام" لقب اختیار کیا۔ وہ مسلمان حکمراں تھے۔ سما خاندان کے کل اٹھارہ حکمرانوں نے سندھ پر ۷۵۲ھ سے ۹۲۳ھ تک حکومت کی ان کا دارالحکومت سندھ کے حصہ لاڑ میں ساموئی اور تغلق آباد تھا ۔ سما خاندان کی فرمانروائی کا دوَر وہ دور

ہے جب دہلی میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت مضبوطی سے قائم ہو چکی تھی ۔ اس لئے بہ نسبت سومرہ خاندان کے سما فرمانرواؤں کے حالات ان کے القاب اور زمانہ ہمیں تاریخ میں مفصل طور پر ملتا ہے تاریخ فرشتہ میں ہے کہ :

سندھ کے زمینداروں کی دو قسمیں تھیں ۔ ایک سومرہ اور دوسری سما ۔ سما اپنے بزرگوں کو جام کے لقب سے یاد کرتے تھے ، شاہ محمد تغلق کے آخری عہد میں مسلمانوں کی کوشش اور مدد سے حکومت سومروں کے ہاتھوں سے نکل کر سما خاندان کے ہاتھ میں آئی ، اس خاندان کے اکثر سردار مسلمان تھے ، اور یہ شاہان دہلی کے مطیع اور با جگذار تھے ۔ لیکن کبھی کبھی علَم بغاوت بلند کر بیٹھتے تھے ، یہ اپنے آپ کو جمشید کی طرف منسوب کرتے تھے اسی لئے یہ اپنے سرداروں کو جام کے لقب سے مُقَلب کرتے تھے ۔

دوَرِ اسلام میں ان میں سے جو پہلا شخص حکومت سندھ پر مُتمکن ہوا وہ جام انر تھا سما خاندان کے حکمرانوں میں سے جام نظام الدین (نندہ) نے ۹۰۰ھ میں نیا دارالحکومت ٹھٹہ میں تعمیر کروایا، جو ۱۷۲۸ء میں سندھ کی تخت گاہ رہی ۔ جام ابوالفتح فیروز شاہ آخری سما خاندان کا حکمران تھا ، جس کو ارغونوں نے ۹۲۶ھ میں شکست دے کر سندھ پر قبضہ کیا ۔

امیر تیمور ایک محبِ اہلبیتؑ تھا ۔ وہ جام فتح خان کے دوَر میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کا ایک جرنیل مرزا پیر محمد نواسۂ تیمور نے ملتان فتح کیا تھا ۔ سندھ کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ تیمور سادات کا بیحد احترام کرتا ہے تو سکھر کے سادات کرام میں سے ایک متقی اور عبادت گذار بزرگ ابوالغیث ، مرزا پیر محمد کی خدمت میں ملتان بھیجا گیا اس نے بڑی عزت کے ساتھ ابوالغیث کا خیرمقدم کیا اور گرانقدر تحائف دے کر سندھ واپس بھیج دیا اور انہی کے کہنے پر سندھ میں غارت گری نہیں کی ۔ اس طرح جام فتح خان بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ پندرہ برس تک حکمران رہا ۔

سما خاندان کے حکمرانوں میں سے جام سنجر بھی ایک خدا پرست حاکم گذرا ہے ۔ جام سنجر سیرتاً و صورتاً بہت خوبصورت شخص تھا ۔ ٹھٹھہ کے تخت پر اس سے پہلے اتنا حسین و جمیل بادشاہ نہیں دیکھا گیا تھا ۔ یہ بڑا منصف مزاج اور رعایا پرور حکمران تھا ۔

اس نے اپنے دوَر میں اہل شریعت کیلئے وظائف و تنخواہ مقرر کی۔

جام سنجر کی وفات کے بعد جام نظام الدین ثانی عرف جام نندہ تخت نشین ہوا۔ جام نندہ کو حکومتِ خاندانِ سمّا کی آبرو کہا جاسکتا ہے۔ یہ ایک مدبر، خلیق، متواضع، انصاف پرور، خدا ترس ذہین، نکتہ بین اور بہادر شخص تھا۔ اس کے متعلق بھی بہت سارے داستان سندھ میں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ اس کے دوَر میں ساداتِ کرام اور علمائے عظام سکون سے رہنے لگے اور سندھ کے لوگ احکامِ اسلامی کے اتنے پابند ہو گئے تھے کہ کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جو نماز و روزہ کا پابند نہ ہو۔ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے "تحفۃ الکرام" میں ان کی پرہیزگاری کے متعلق یہ عجیب واقعہ لکھا ہے کہ "قاضی عبداللہ نامی ایک خدا پرست شخص (جس کی تربت مکلی پر شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے عقب میں ہے) نے جب وفات پائی تو اس وقت کے کسی دوسرے بزرگ کو خواب میں آکر کہا کہ میرے جنازہ پر وہ شخص پیش امام نماز ہو جس نے کبھی بھی بغیر وضو کے آسمان کو نہ دیکھا ہو یا جس نے کبھی بھی انسان کی شرمگاہ پر نظر نہ کی ہو اور نہ ہی کبھی اپنی شرمگاہ دیکھی ہو۔ ننگر ٹھٹھہ میں ایسا شخص تلاش کیا گیا مگر بالآخر جام نندہ کے سوا دوسرا کوئی بھی ایسا پاکباز شخص نظر نہیں آیا۔ لہذا جام نندہ نے پیش نماز ہو کر قاضی عبداللہ کی جنازہ نماز پڑھائی"۔

اسی جام نظام الدین نے ۹۰۰ھ میں ٹھٹھہ کی بنیاد رکھی۔ اس شہر نے بزرگان دین اور باوقار سلاطین کے اقبال کی وجہ سے ایسی شہرت پائی کہ خراسان اور عراق کے علماء و فضلاء نے اس کی رونق بڑھانے میں بھرپور حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت میں ٹھٹھہ شہر میں تین سو دارالعلوم تھے اور یہ شہر اپنی رونق اور شادابی میں قرطبہ و بغداد اور عراق و نجف اشرف اور ایران کا ثانی کہلاتا تھا۔ کی ہمسری کرتا تھا۔ احمد آباد، ٹھٹھہ اور ملتان علمی اداروں اور مدارس کی وجہ سے پوری اسلامی دنیا میں مشہور تھے۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ سندھ گجرات اور ملتان کے سمّا، مظفریہ اور لانگاہ سلاطین نے علوم و فنون کی قدر دانی کرنے اور علمائے کرام کی حوصلہ افزائی کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں برتی۔

سلاطین سما کے متعلق "جنت السندھ" کے مصنف مولائی شیدائی لکھتے ہیں کہ "گجرات کے مظفریہ سلاطین سے سما حکمرانوں کی رشتہ داری تھی ۔ مظفریہ سلاطین آلِ مظفر کے نام سے مشہور ہیں ۔ اس خاندان کے بہت سے حکمران محبِ اہلبیت اور شیعہ تھے ۔ سما سلاطین کی مظفریہ سلاطین سے رشتہ داری سے پتہ چلتا ہے کہ سما حکمران شیعہ اور محب اہلبیتؑ تھے" ۔

امیر تیمور کے ساتھ سما سلاطین کے دوَر میں بہت سے علماء اور سادات ہرات سے سندھ میں وارد ہوئے تھے ۔ جس کی وجہ سے بخارا ، سمرقند اور ہرات کی علمی مجالس کے خاتمہ کے بعد سندھ کا دارالخلافہ ٹھٹھہ اسلامی دنیا میں دارالعلوم کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس کے علاوہ سندھیوں کی مہمان نوازی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر اسلامی دنیا کے برگزیدہ بزرگوں نے سندھ میں شادیاں کر کے اس ملک کو اپنا وطن بنا دیا ۔ جن کی اولاد اور ان کی گدّیاں آج بھی اس خطّے میں موجود ہیں ۔

جام نظام الدین اپنے وقت کا بڑا حصہ علما کی صحبت اور علمی مذاکرات و مباحث میں صرف کرتا تھا ۔ انہیں علماء سے بڑی عقیدت تھی اور ان ہی قدر افزائیوں کی بدولت مختلف ممالک کے علماء سندھ کو اپنا وطن بنانے کی تمنا رکھتے تھے ۔ چنانچہ مولانا جلال الدین دوانی نے جب شیراز سے سندھ میں آنا چاہا تو اس نے پہلے اپنے دو شاگردوں میر شمس الدین اور میر معین الدین کو ٹھٹھہ روانہ کیا اور استدعا کی کہ وہ خود بھی شیراز سے آکر ٹھٹھہ میں آباد ہونا چاہتا ہے ۔ جام نظام الدین نے مولانا کے شایان شان رہائش و معاش کا بندوبست کر کے ان کے شاگردان کے ہاتھوں اصرافِ سفر بھی روانہ کیا تاکہ مولانا کو سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ۔ لیکن اتفاق دیکھئیے کہ جب یہ دونوں شیراز پہنچے تو مولانا سفر آخرت اختیار کر چکے تھے ۔ چونکہ میر شمس الدین اور میر معین الدین ، جام نندہ کی قدر افزائیاں دیکھ چکے تھے ۔ اس لئے وہ ٹھٹھہ واپس آئے اور وہیں رہنے لگے علامہ جلال الدین بلند پایہ شاعر تھے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ان کی ایک رباعی مشہور ہے ۔

خورشیدِ کمال است نبی ماہ ولی
اسلام محمد است و ایمانِ علی
گر بینۂ بر این سخنِ می طلبی
بنگر کہ زبینات اسماستِ جلی

جام نظام الدین ہی کے دوَر میں مولانا عبدالعزیز ابہروی ایران سے ٹھٹھہ آکر مقیم ہوئے ۔ وہ عصمتِ دین کی خاطر دو بیٹوں کے ہمراہ یہاں شریف لائے تھے ۔ سندھ میں آ کر انہوں نے مذہبِ اہلبیتِ رسالت کی تبلیغ کی ۔ سندھ میں علوم معقول انہیں کی وجہ سے پھیلا ۔

جام نظام الدین کی قدر افزائی کے چرچے سن کر ایران و خراسان سے خاندان دلبستان علمائے شیعہ خصوصی طور پر سندھ میں آکر آباد ہوئے اور جام نندہ نے انہیں آباد کرنے کے لئے خاص طور پر ٹھٹھہ شہر میں علیحدہ محلے تعمیر کروائے ۔ مطلب یہ کہ سندھ میں حکمرانانِ خاندانِ سمّا کے دوَر میں بھی بہت سرکاری افسران اور اہلِ تجارت محبان اہلبیتؑ تھے ۔

سندھ پر سلاطین سمّا نے پونے دو سو سال تک حکومت کی ۔ اس دوران سما حکمرانوں نے سندھ کیلئے بہت کچھ کیا۔ شہری ترقی کے ساتھ ساتھ علوم و فنوں پر بھی بہت توجہ دی ۔ اس طرح باہر سے آنے والے سادات اور خود سندھیوں میں بھی بڑے بڑے علماء و فضلا پیدا ہوئے اور بجا طور پر سندھ کے اس دوَر کو عہد زرّین کہا جا سکتا ہے۔ سندھیوں کا عمومی مذہب حنفیت رہا ۔ لیکن شیعہ جماعت کی ایک بڑی تعداد سندھ کے مختلف حصوں میں رہتی تھی ، ان میں اسماعیلی بھی تھے اور کثرت سے اثنا عشری بھی جو ان سادات کرام کے طفیل جن کے مزارات آج بھی سندھ کا ہیں اور جن کی نسل اپنے مضبوط عقائد کی بنا پر آج بھی سندھی کہلانے پر فخر کرتی ہے ۔ سلاطین سمّا اور قبیلہ سمّا میں بھی بہت سے محبان اہلبیتؑ موجود تھے ۔ اس وقت بھی سمّا قبیلہ سے تعلق رکھنے والے بعض اس سعادت کو فخریہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ ہم محبانِ اہلبیتؑ ہیں اور اس

وقت بھی عُلمَاء و فُضلَا اور شُعراء میں اکثریت شیعان علیؑ کی تھی جن میں آلِ رسول کو درجۂ فضیلت حاصل رہا۔

سلاطین سما ایام میں سیوہن ، سکھر ٹھٹھہ ، دربیلہ ، نصرپور اور سندھ کے دوسرے شہروں میں دینی مدارس قائم تھے جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ طالبان علم کے قیام و طعام کے انتظامات حسن و خوبی سے سرانجام دئیے جاتے تھے ۔ اسی دور میں سلاطین علماء کرام اور سادات عُظَام کا بیحد احترام کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ خراسان اور ایران کے علماء سما اور جام دورِ حکومت میں سندھ میں آکر آباد ہوئے ۔

فہرست سلاطینِ سما سندھ

(۱) جام انڑ (۲) جام جونا (۳) جام تماچی اول بن انڑ (۴) بابینو بن انڑ
(۵) جام خیر الدین (۶) بابینو ثانی بن خیرالدین (۷) تماچی ثانی بن خیرالدین
(۸) جام صلاح الدین بن جام تماچی ثانی (۹) جام نظام الدین اول بن صلاح الدین
(۱۰) جام علی شیر (۱۱) جام کرن (۱۲) جام فتح بن سکندر بن تماچی (۱۳) جام تغلق
(۱۴) جام سکندر بن فتح خان بن سکندر (۱۵) جام رائیدان (۱۶) جام سنجر
(۱۷) جام نظام الدین نندو بن بابنیہ (۱۸) جام فیروز شاہ بن نظام الدین

گولکنڈہ اور بیجاپور شیعہ حکومت کا سندھ میں سکّہ

سلاطین کے دوَر میں سما حکمرانوں کے سکے چلتے تھے ۔ ان کے ساتھ ساتھ دہلی کے سکے بھی رائج تھے ۔ حملۂ امیر تیمور کے بعد تیموری اشرفیاں اور روپیہ کا سندھ اور بلوچستان میں رواج پڑا ۔ محمود بیگڑہ کی سونے کی اشرفیاں اور روپیہ بھی تجارتی تعلقات کی وجہ سے سندھ میں جاری تھے ۔ گجراتی روپیہ سندھ میں لاڑی کہلاتا تھا ، جسکی قیمت بارہ پیسہ تھی ۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی اشرفیاں سندھ میں " پگوڈا " کہلاتی تھیں ۔ یاد رہے کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کے حکمران شیعہ اثناء عشری تھے ۔ ان محبان اہلبیتؑ نے سندھ میں مزید مذہب اہلبیتِؑ رسالت کو فروغ دینے کیلئے اپنے سکے جاری کیئے۔

ارغون خاندان

ہلاکو خان بن طولی خان گوکہ ایک ظالم و جابر حکمران تھا ۔ لیکن مسلمان اس کی وزارتیں سنبھالے ہوئے تھے. محقق طوسی بھی وزیر تھے ۔ ہوسِ ملک گیری اور کثرت فتوحات کی وجہ سے اس نے کئی ملک برباد کئے اور خون کی ندیاں بہادیں ۔ لیکن اس کے زیرِ حکومت جتنے ممالک تھے انہیں مذہبی آزادی تھی اس نے کسی مذہب کے پیروکاروں پر تشدد نہیں کیا ۔ اسے اپنی سلطنت کی وسعت ، غلبہ ، جبر اور قہر کی خواہش تھی۔ وہ شہر بچ گیا جس نے اس کی یلغار کے سامنے ہتھیار ڈال دئیے اور بغیر چون و چرا اس کی حکومت تسلیم کر کے جان اور مال کی امان مانگی ۔ جس شہر نے مقابلہ کیا ، آتشِ حرب نے اسے خاکستر کردیا ۔ تاتاریوں کے منگول قبیلہ کی لڑائیاں مذہبی اساس پر نہ تھیں بلکہ ہوس ملک گیری کیلئے تھیں لیکن عراق کے مقدس مقامات اس کے تباہ کن حملوں سے محفوظ رہے ۔ وہاں کے لوگوں نے بھی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مقابلہ سے گریز کیا ۔ خود ہلاکو خاں نے کسی مذہب سے تعرض نہیں کیا اس کے بیٹے اباقا خان کے دور میں عطاء الملک جوینی نے فرات سے نجف اشرف کی سیرابی کے لئے ایک نہر کھدوائی ۔ چونکہ نجف کی زمین عام سطح سے بلند تھی اس لئے نہر کا پانی نجف نہیں پہنچ پاتا تھا اور دریائے فرات کی سطح نجف کی سطح سے پست تھی اس لئے اس نے پائپ لائن کے ذریعے نہر کا پانی نجف میں رجب ۶۷۲ھ میں پہنچایا ۔

منگول بادشاہوں میں سے مندرجہ ذیل چار حکمرانوں نے اسلام قبول کیا ۔

۱۔ تکودار بن ہلاکو خان المعروف احمد

۲۔ غازان بن ارغون بن تغابن ہلاکوالمعروف بہ غازان محمود (کےنام سے بھی مشہور ہے)

۳۔ نیفولاوس ، غازان کا بھائی جو محمد خدا بندہ کے نام سے مشہور ہے ۔

۴۔ قاآن بہادر خان ابو سعید بن محمد خدا بندہ ۔

ارغون اپنے باپ اباقا خان کے زمانے میں خراسان کا بادشاہ تھا ۔ باپ کی موت کے بعد اس کا بیٹا غازی (غازان) خان تخت نشین ہوا ، خدا نے اس کے دل میں اسلام کا نور

ڈال دیا اور وہ خراسان کو غازان خان کے حوالے کر کے خود روضہ حضرت سیدالانبیاء محمد مصطفیٰؐ صلعم کی زیارت کے لئے مدینے پہنچا ۔ ایک شب عالمِ خواب میں آنحضرت کے حکم سے جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ سے بغلگیر ہوا ۔ اس نے امام حسینؑ کی شہادت والی جگہ تک ایک کشادہ اور عمیق نہر کھدوائی جس کے ذریعے دجلہ و فرات سے کشتیاں کربلا تک آتی جاتی تھیں ۔ غازان خان کے متعلق بھی اس قسم کی روایت ملتی ہے کہ "غازان خان ۶۹۴ھ میں تخت پر بیٹھا تب اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ساٹھ ہزار ترکوں نے بھی اسلام قبول کیا ۔ ۷۰۳ھ میں غازان خان کے مرنے کے بعد اس کا بھائی خدابندہ تخت نشین ہوا اور اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابو سعید تخت پر متمکن ہوا" ۔ مندرجہ بالا تمام سلاطین نہایت دین دار گزرے ہیں ۔

سندھ پر ارغون خاندان کی حکومت

سمّا خاندان کی حکومت کے زوال پذیر ہوتے ہی بیرونِ خاندان سندھ پر برسراقتدار آیا اس کا پہلا فرما نروا شاہ بیگ ارغون بن امیر ذوالنون بن امیر بصری بن فرخ بیگ تھا. اس کا سلسلہ نسب آخر میں چنگیز خان سے جا کر ملتا ہے ۔ ترخان نامہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ اسی خاندان کے بزرگوں میں سے ہلاکو خان کا پوتہ ارغون خان (متوفی ۶۹۰ھ) تھا اسی لئے اسی خاندان کو ارغون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

میرزا شاہ بیگ ارغون نے بکھر اور سیوہن تک سندھ کو فتح کر لیا تھا اور ٹھٹھہ پر قبضہ کر کے جب لوٹ مار اور قتل و غارتگری سے فارغ ہوا تو جام فیروز ، جو بمعہ اہل خانہ اسیر ہو چکا تھا ، بغیر اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ شاہ بیگ اس کے ساتھ نہایت نرم مزاجی سے پیش آیا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر سیوستان کا علاقہ دے کر لکی شاہ پہاڑ تک اس کی سرحدِ قائم کر دی ۔ اس کے بعد میر علیکہ ارغون ، سلطان مقیم بیگلار ، کیبک ارغون اور احمد ترخان کو فیروز کے پاس چھوڑ کر سیوستان سے دریا خان کے بیٹوں کو تہہ تیغ کر کے شال اور سیوی کی طرف بڑھا ۔

انہی دنوں شاہ بیگ نے جام فیروز کو لکھا کہ میں نے گجرات فتح کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے ۔ جیسے ہی یہ تمنا پوری ہوگی ، سندھ کی حکومت پہلے کی طرح تیرے حوالے کردوں گا ۔ اس کے بعد وہ بکھر چلا گیا ۔ وہاں پہنچ کر اس نے قلعہ کے اندر رہنے والے سادات کو روہڑی میں رہائش گاہیں عطا کیں اور اروڑہ شہر کے کھنڈرات کی اینٹوں سے ایک نیا قلعہ تعمیر کروایا ۔ روہڑی میں آج جو سادات رہتے ہیں وہ کوٹائی سید اور موسوی سید کے نام سے مشہور ہیں ۔

۹۲۸ھ میں شاہ بیگ نے جانکنی کے عالم میں پیش نماز کو سورۃ یسین پڑھنے کا حکم دیا وہ جب تلاوت کرتے کرتے آیت " وما لی لا اعبد الزی " تک پہنچا تو اس نے کہا پھر پڑھو چنانچہ دوسری مرتبہ جب حافظ آیت " یالیت قومی یعلمون بما غفرلی " تک پہنچا تو اس کا دم ملکِ عدم کو پرواز کر گیا ۔ " شہر شعبان" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے ان کی لاش کو مکہ معظمہ میں دفن کیا گیا ۔

شاہ بیگ بڑے صاحبِ علم و فضل فرمانروا تھے ۔ انہوں نے اپنے عہدِ شباب ہی میں خواجہ عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی کمالات حاصل کئے تھے اور تاحیات وہ حصولِ علم میں سرگرداں رہے ۔ اس طرح انہوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ ان کا شمار جیّد علماء میں ہوتا ہے ۔ علماء کی مجلسی صحبت انہیں مرغوب تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہرات میں وہ اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے تو ان کا زیادہ وقت علماء کی صحبت میں گزرتا تھا ۔ یہ صاحب تصنیف بھی تھے ۔ ان کی تصانیف شرح کافیہ ، حاشیہ شرح مطالع ، حاشیہ شرح فرائض میر سید شریف اور بعض دوسرے رسائل پر ان کی لکھی ہوئی شرحیں مشہور ہیں ۔ اس کے علاوہ ان کا بیشتر وقت عبادت و ریاضتِ الٰہی میں گذرتا تھا ۔

شاہ بیگ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا میرزا شاہ حسن نصرپور میں تخت پر بیٹھا ۔ تو اس نے پورے سندھ پر قبضہ کیا اور ملتان و گجرات تک اس کی یورشیں رہیں ۔ ارغون اور ترخان خاندان کے تمام افراد شیعہ محب اہلبیتؑ تھے ۔ مرزا شاہ حسن ارغون اہل تشیع تھا اور درگاہ جلوہ گاہِ امامین مکلی پر حاضر ہو کر بڑے عقیدت و احترام سے نذر و نیاز پیش

کرتا تھا۔

میرزا شاہ حسن فقط حکمران ہی نہیں بلکہ ایک شیریں سخن شاعر بھی تھا اور ان کا تخلص سپاہی تھا ان کا دربار ہمیشہ علماء و فضلا و شعراء سے آراستہ رہتا تھا۔ اس دور کے شیعہ علماء میر محمود شیخ ، میر محمد ، شیخ عبدالوہاب ، شاہ قطب الدین ، سید میر کلاں وغیرہ مشہور ہیں۔

میر محمد بن میر ابو سعید پورانی عرب شاہی خاندانِ سادات کے چشم و چراغ تھے ، یہ خاندان پشت در پشت فضیلتوں میں ممتاز چلا آرہا تھا وہ خود بھی فضل و سخاوت ، زہد و تقوی میں منفرد تھا بہت عرصہ تک سندھ میں "شیخ الاسلام" کے عہدے پر فائز رہا۔ ان کی ذات علم و فضل کا وہ سرچشمہ تھی کہ جس سے سیراب ہونے والے اپنے ہم عصروں سے بازی لے جاتے تھے۔ میر محمود مختلف خطوط میں عموماً اور خط نستعلیق میں خصوصاً بڑی مہارت رکھتا تھا۔

شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوہاب دونوں میر بایزید اور میر سعید پورانی کے فرزند اور میر محمود کے بھتیجے تھے۔ شیخ عبدالوہاب خصائل حمیدہ اور اطوار پسندیدہ سے آراستہ تھا. نہایت خوش طبع بزرگ تھا اور بادشاہوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی حتی الامکان المقدور کوشش کرتا تھا ان دونوں بزرگوں نے ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم شاہ قطب الدین بن شاہ محمد طیب جو خراسان کے رفیع الدرجات سادات میں سے تھا ، انہوں نے ترکمانیوں کے فساد کے بعد سندھ آکر بکھر میں سکونت اختیار کی ہر جمعہ اپنے وعظ سے لوگوں کو راہ ہدایت پر قائم رہنے کی تعلیم دیتا تھا۔ اس نے ۹۷۷ھ میں وفات پائی۔

میر معصوم بکھری کے دادا سید میر کلان بھی شاہ حسن کے دور کے شیعہ علماء میں سے ایک تھے۔ یہ کربلائے معلیٰ کے جلیل القدر سادات میں سے تھے۔ کربلا کی مبارک و باسعادت سرزمین سے نکلنے کے بعد پہلے قندھار اور پھر سندھ فتح ہونے کے بعد سیوستان کے پسگر دائی میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ زہد و تقوی میں بے نظیر تھے انہی کی

اولاد میں سے سندھ کے مشہور مؤرخ میر معصوم بکھری ہیں۔

میرزا شاہ حسن بیگ کے دربار سے علماء کے علاوہ شیعہ شعراء بھی کثیر تعداد میں وابستہ تھے جو اپنے عہد کے مشہور شاعر گذرے ہیں۔ شاہ جہانگیر ہاشمی کا نام بھی انہی شعراء میں شامل ہے۔ اس کا پدری سلسلہ نسب شاہ قاسم انوار سے اور مادری سلسلہ نسب شاہ نعمت اللہ ولی (ولادت ۷۳۱ھ جو امام محمد باقرؑ سے ہیں) سے جا کر ملتا ہے وہ شاہ حسن ارغون کے ابتدائی دور میں خراسان سے سندھ میں آئے شاہ حسن ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا۔ اسی طرح شاہ حسن کے دور کا ایک دوسرا شیعہ شاعر حیدر کلوچ اپنے فن کمال کی وجہ سے مشہور ہے یہ شاہ حسن کے دور سندھ میں آیا اور پاٹ شہر میں وفات پائی۔

میر علی رضا آگاہ اور سلطان محمد فخری بھی دربار کے خاص رکن تھے۔ محمد فخری نے شاہ حسن ارغون کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھتے ہیں ایک جگہ شاہ حسن کیلئے کہتے ہیں کہ.

بحق نہہ فلک و زاہدان ہفت اقلیم
بحق چہاردہ معصوم و ہشت و چار امام
ہزار سال بمانی کہ آن وجود شریف
ز جملہ پاک و مطہر بود چوں ماہ صیام

ایک دوسرے قصیدے میں یوں کہتے ہیں:

حامی دین والئی کشور کشائی
گوہر او مظہر لطف و خدائی
شیوہ او خدمت آل رسول
دیدن او شادئی جاں ملول

شاہ حسن کے عہد میں ہندوستان کے مغل شہنشاہ ہمایوں کو جب شیر شاہ سوری نے دربدر کردیا تو ہمایوں نے بھاگ کر سندھ میں پناہ لی جہاں اکبر اعظم پیدا ہوئے. ہمایوں شیعہ تھا اس کا وزیر "بیرم خان" بھی نامور شیعہ تھا۔ (ان کے دیوان میں حضرت علیؑ

کے بہت سے قصائد ملتے ہیں) لیکن شاہ حسن ارغون نے ہمایوں کو سندھ میں مستقل رہنے نہیں دیا ۔ وہ (۹۴۷ھ تا ۹۵۰ھ) تک سندھ میں پریشان حال رہا. بالآخر ایران کے بادشاہ طہماسب صفوی کو شاہ حسن ارغون کی سرد مہری اور بے اعتنائی سے آگاہ کیا ۔ ۹۵۰ھ میں ہمایوں ایران کی طرف روانہ ہوتے ہوئے سندھ سے شاہ صفوی کو اپنی مندرجہ ذیل تصنیف شدہ رباعی اپنی عقیدت کے اظہار میں لکھ کر روانہ کی اور شاہ طہما سپ سے طالب امداد ہوا ۔

هستیم زجان بندہ اولاد علی
هستیم همیشه شاد با یاد علی
چوں سر ولایت ز علی ظاهر شد
کردیم همیشه ورد خود ناد علی

میرزا شاہ حسن کی وفات (۹۶۲ھ) سے کچھ عرصہ پہلے سلطان محمود کو کلتاش اور میرزا عیسیٰ ترخان نے سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ۔ جبکہ بالائی سندھ پر عیسیٰ ترخان کا تسلط تھا جس کا مرکز ٹھٹھہ تھا ۔

سندھ پر ترخان خاندان کی حکومت

۹۶۷ھ میں میرزا شاہ حسن ارغون لاولد انتقال کر گئے ۔ انہیں مکہ معظمہ میں دفن کیا گیا ۔ ان کی بیوہ رانی سے میرزا عیسیٰ ترخان نے شادی کی ۔

میرزا عیسیٰ کے باپ امیر عبدالعلی کو امیر ذوالنون بیگ ارغون نے ساغر اور تولک علاقے کی نگرانی کے لئے اپنا داروغہ مقرر کیا تھا ، مرزا عیسیٰ کا شجرہ اسطرح ہے ، کہ مرزا عیسیٰ بن عبدالعلی بن عبدالخالق ، شکل بیگ ترخان کی نسل سے تھا ، شکل بیگ کے والد ایکوتمر ایک جنگ میں امیر تیمور کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا ۔ اسکے مرنے کے بعد امیر تیمور نے شکل بیگ کی پرورش کرکے انہیں " ترخان" کا لقب دیا۔ شکل بیگ کا سلسلہ نسب چوتھی پشت میں ارغون بن اباقاآن خاں بن ہلاکو بن طولی بن چنگیز خان سے ملتا ہے۔

میرزا عیسیٰ بیگ

میرزا شاہ حسن بیگ کے لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے سندھ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ بکھر سے سیوستان تک کا حصہ سلطان محمود کو کلتاش عرف سلطان محمود بکھری کے حصہ میں آیا اور سیوہن سے لاہری بندر پر میرزا عیسی خان ترخان حاکم مقرر ہوا یہ دونوں میرزا شاہ بیگ کے سپہ سالار تھے۔

ترخان خاندان کا پہلا حکمران میرزا عیسیٰ تھا جو ۹۶۲ھ میں تخت نشین ہوا. صاحب "ترخان نامہ" رقم طراز ہیں کہ "میرزا عیسیٰ نہایت ہی نیک نفیس و با اخلاق فرمانروا تھا۔ سادات و مشائخین سے نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتا تھا اور علماء و فضلا کو دوست رکھتا تھا اور اہل اللہ و فقرا سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا"۔

میرزا عیسیٰ ترخان نے اپنے عہد میں ایک مرصع قندیل امام رضا علیہ السلام کے روضہ منورہ کیلئے ٹھٹھہ میں خصوصی طور پر زر کثیر خرچ کر کے بنوانا شروع کی لیکن اس کے مکمل ہونے سے پہلے ہی ۹۷۳ھ میں وفات پاگیا۔ اسکے بعد میرزا غازی بیگ ترخان المخلص بہ وقاری نے اس قندیل کو مکمل کروا کے روضۂ شاہِ خراساں پر بطور نذرانہ پیش کیا۔

میرزا عیسی نے جب وفات پائی تو اس کی لاش کو ان کے بنوائے ہوئے مقبرے میں دفنایا گیا۔ ان کی قبر پر کتبہ کی عبارت یہ ہے۔

"وفات یافت حضرت میرزا بندہ آلِ محمد عیسیٰ بن عبدالعلی ترخان ۹۷۳ھ"

میرزا محمد باقی ترخان

میرزا عیسیٰ کے بعد میرزا محمد باقی ٹھٹھہ کا حکمران ہوا۔ ۹۹۳ھ میں اپنے بیٹے شاہ رخ کی ناگہانی موت پر حواس باختہ ہوگیا اور بالآخر خود کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کا بیس سالہ دور حکومت سیاہ ترین گذرا ہے۔ یہ حد درجہ بخیل اور ظالم تھا۔ اس نے کئی علماء و مشائخین کو قتل کروادیا۔ اس کے مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں نے مساجد میں دعائے نجات مانگی۔ ۹۹۳ھ کی ایک رات اچانک اس نے اپنے پیٹ میں خنجر

مار کر ہلاک کر لیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا گیا مگر وہ مخبوط الحواس تھا اس لئے امراء نے سیوہن سے اس کے چچا زاد بھائی مرزا جانی بیگ کو بلوا کر اقدار اس کے حوالے کر دیا۔

میرزا جانی بیگ

میرزا محمد باقی بیگ کے بعد میرزا جانی بیگ حاکم ہوا۔ یہ ۹۹۳ھ سے اپنے دادا کے مظالم کا کفارہ ادا کرتا رہا۔ اس نے علم دوستی و فیاضی کی وہ روایات قائم کیں کہ جلد ہی لوگ میرزا محمد باقی کے مظالم کو بھول گئے۔

میرزا جانی بیگ نے حکومت سنبھالتے ہی شہنشاہ اکبر کو لگان بھیجنا بند کر دیا اس پر اکبر نے پہلے نواب صادق محمد خان کو لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ مگر میرزا جانی بیگ بھی لشکر لیکر سیوہن پہنچا۔ جانی بیگ کے آنے کی خبر سنکر نواب صادق محمد خان بھاگ کر اکبر کے پاس پہنچا اور میرزا جانی بیگ غافل ہو کر ٹھٹھہ ہی میں رہا۔

میرزا عبدالرحیم خان خانان کی سندھ میں آمد

میرزا عبدالرحیم خان خانان، بیرم خان کا فرزند اور شہنشاہ اکبر بادشاہ کا ہردلعزیز سپہ سالار تھا خانِ خانان کے باپ بیرم خان کی سفارش پر ایران کا بادشاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے ہمایوں دوبارہ ہندوستان میں حکمران ہوئے۔ بیرم خان شیعہ تھا ان کا بیٹا میرزا عبدالرحیم خان خانان بھی شیعہ تھا۔ بیرم خان کی قبر پر مندرجہ ذیل شعر کندہ ہے جو اس کے جوش عقیدت اور ولائے علی سے سرشاری کی ترجمانی کر رہا ہے۔

شہے کہ بگزر از نہ سپر افسراو
اگر غلام علی نیست خاک برسراو

لیکن جیسے ہی میرزا جانی بیگ کی بے راہ روی حد سے بڑھ گئی تو اس کے زوال کا وقت بھی آگیا۔ اکبر بادشاہ نے صادق خاں کی ناکام واپسی کے بعد خان خاناں عبدالرحیم بن بیرم خان کو ۹۹۹ھ میں فتح سندھ کی مہم پر مقرر کیا۔ خان خانان الطافِ شاہانہ سے

معززو مفتخر ہو کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ ہوا ۔

ادھر میرزا جانی بیگ کو یہ اطلاع ہوئی تو اس نے بری اور بحری لشکر جمع کر کے نصرپور کے نزدیک بوہری گاؤں میں چھاؤنی کے لئے خندق کھدواکر چھوٹا سا مضبوط قلعہ تیار کروایا نصرپور کے نزدیک نواب خان خانان اور میرزا جانی بیگ کے لشکر ایک دوسرے کے مدّ مقابل ہوئے ۔ خونریز جنگ ہوئی اور دونوں طرف کے نامور پہلوان قتل ہوگئے ۔ نصرپور کی جنگ میں میرزا جانی بیگ کو مرحلہ وار شکست ہورہی تھی پھر بھی وہ لڑتا رہا ۔ بالآخر میرزا جانی بیگ پیچھے ہٹ کر سیوہن کی طرف روانہ ہوگیا ۔ جب لکی پہاڑ کے قریب پہنچا تو خان خانان کا ۱۲۰۰ سپاہیوں پر مشتمل لشکر سامنے آیا ۔ وہاں بھی سخت جنگ ہوئی اور میرزا جانی بیگ کا تمام لشکر بھاگ گیا اور میرزا جانی بیگ وہاں سے انڑپور پہنچا جہاں ایک کچے قلعے میں آکر پناہ گزین ہوا ۔ خان خانان کے لشکر نے اس قلعے کو گھیرے میں لے لیا ۔ اس کے بعد نواب خان خانان نے جانی بیگ کو پیغام بھیجا کہ ہم دونوں اکبر بادشاہ کے ملازم اور تابعدار ہیں اور تیموریہ خاندان کے فرد بھی ہیں ۔ ہمیں صلح کرنا چاہئیے ۔ شہنشاہ اکبر تمہارے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے گا ۔ میرزا جانی بیگ کو اس دوران اپنے باپ میرزا پائندہ بیگ اور بیٹے میرزا ابوالفتح بیگ کی وفات کی اطلاع ملی جس سے وہ اور افسردہ ہوگیا ۔ اسی دوران اسے نواب خان خانان کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچا ۔ میرزا جانی کے لئے اب سوائے صلح کرنے کے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا ۔ اس لئے اس نے تمام گورنروں کو حکم بھیجا کہ قلعہ کی چابیاں اکبر بادشاہ کے لوگوں کو دی جائیں اور اسی طرح خان خانان نے نیرون کوٹ (حیدرآباد)، شاہ گڑہ اور دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا ۔

خان خانان ، میرزا جانی بیگ کو ان کے اہل و عیال سمیت دہلی لے گیا اور ٹھٹھہ پر اکبر بادشاہ کی طرف سے دولت خان لودھی حاکم مقرر ہوئے ۔

اکبری دربارے میں پہنچنے کے بعد خان خانان کی سفارش سے جانی بیگ سزاری منصَب پر سرافراز ہوئے ۔ میرزا جانی بیگ علم ظاہری کے ماہر اور فارسی کے شاعر تھے ۔ ان کا تخلص حلیمی تھا ۔ شہنشاہ اکبر ان کی گفتار اور شاہی اخلاص کو دیکھ کر اتنا متاثر ہوا کہ

سفر و حضر میں مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ رکھنے لگا ۔ میرزا جانی بیگ نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی ۔ اکبر کے حکم سے میرزا جانی بیگ کو مکلی کے قبرستان میں دفن کیا گیا ۔ بعد ازاں اکبر بادشاہ نے ان کے بیٹے میرزا غازی بیگ کو سندھ کا حاکم مقرر کردیا ۔

میرزا غازی بیگ

میرزا غازی بیگ ۱۶ برس کی عمر میں اکبر بادشاہ کے حکم سے ٹھٹھہ کا نائب مقرر ہوا۔ اسی دور میں ابوالقاسم ارغون نے بغاوت کردی مگر میرزا غازی بیگ نے اس کی آنکھیں نکلوا کر اسے جیل میں ڈال دیا ۔ اس سازش کے ختم ہوتے ہی انہیں اکبری دربار میں حاضر ہونے کا حکم ملا ۔ ۱۰۱۳ھ میں مرزا غازی بیگ آگرہ جاکر شہنشاہ کی سلامی سے مشرف ہوئے سال ۱۰۱۴ھ میں اکبر کے انتقال کے بعد شہنشاہ جہانگیر نے مرزا غازی بیگ کی وفاداری کی وجہ سے انہیں ٹھٹھہ اور سیوہن کے علاوہ کچھ حصہ ملتان اور قندھار کا بھی جاگیر میں عطا کیا ۔ غازی بیگ کافی عرصہ تک قندھار میں رہا اور وہاں ۱۰۲۱ھ میں اپنے ایک غلام کے ہاتھوں دیئے گئے زہر سے شہید ہوا ان کا جنازہ قندھار سے لاکر مکلی میں دفن کیا گیا ۔

خسرو خان ، میرزا احمد بیگ اور بندوخان اکبر کی طرف سے میرزا غازی بیگ کے اتالیق تھے ۔ اس نے آٹھ سال تک بڑی کامیابی سے حکومت کی ۔ رعایا بھی اس کے دوٗر میں مطمئن اور خوشحال تھی ۔ ۱۰۱۳ھ میں اسے پنج ہزاری منصب ملا اس کے بعد جہانگیر کے دور میں بہت سے اعزازات سے نوازا گیا ۔ یہ ایک منتظم ، شجاع ، علم پرور اور بہترین شاعر تھے ۔ مرزا غازی بیگ اثنا عشری عقیدہ کے تھے جس کی وجہ سے اہل خراساں کو بیحد پسند کرتے تھے اور ان کی صحبت میں بیٹھنا ان اچھا لگتا تھا ، ملا عبدالباقی نہاوندی ایک جگہ وضاحت سے لکھتے ہیں کہ : "و مطلب اهل عراق و خراسان که باد محشور بودند ، این بود و هست که شیعه اثنا عشری بوده و از اشعارش که در مدح صاحب الزمان گفته ، و از طرز و طور و سلوک او ، نیز این چنین فهم می شود وجمعی نیز ازاں جماعه خصوصا مرشد خاں بروجردی که الحال تصدیق بآن می نمائند واللّٰہ اعلم

اس سلسلے میں ملا عبدالباقی مزید لکھتے ہیں کہ "میرزا عیسیٰ ترخان نے ایک مُرصّع قندیلِ روضۂ مشہدِ مقدسہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لئے بڑی رقم خرچ کر کے اور بڑے اہتمام سے بنوانا شروع کی تھی۔ مگر وہ مکمل نہ ہو سکی کہ میرزا عیسیٰ کا انتقال ۹۷۳ھ میں ہوگیا اس قندیل کو ان کی وفات کے بعد مرزا غازی بیگ نے مکمل کروا کے مشہد مقدس روانہ کیا صرف یہی نہیں بلکہ عراق کے روضۂ مبارک پر قلمی قرآن مجید، مُرصّع تلواریں، قندیل اور زربفت کی شالیں وغیرہ بطور نذرانہ پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل کیں۔

ترخان حکمرانوں کے دوَر میں سندھ میں عید غدیر کے موقع پر شاندار جشن منایا جاتا تھا اور ایام محرم میں عزائے امام حسین علیہ السلام نہایت ہی عقیدت و احترام سے برپا کی جاتی تھی۔

میرزا غازی بیگ چونکہ شاعر بھی تھے اس لئے ان کے کلام میں اہلبیت عُظام علیہم السلام کی مدح میں بہت سے قصائد ملتے ہیں۔ اس دوَر میں شیعہ شعراء کی کثیر تعداد ملتی ہے جن میں بہت سے بلوچ قوم سے تعلق رکھتے تھے ان شعراء میں سے بعض شعراء کو سلطان محمد بیگڑہ (تھر سے) قید کر کے اپنے ساتھ گجرات لے گیا۔

ٹھٹھہ کے ۳۸ مغلیہ نوابین جنہوں نے ٹھٹھہ پر ۱۰۱۵ھ میں ۱۱۴۹ھ تک حکومت کی ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں جن میں سے کئی محبانِ آلِ رسول تھے اور اپنے دوَر میں مذہب اہلبیت کی اشاعت کرتے رہے۔

(۱) خسرو چرکس ۱۰۱۵ھ (۲) مرزا رستم بن سلطان حسین ۱۰۲۳ھ (۳) مرزا مصطفیٰ خان ۱۰۲۵ھ (۴) شریف خان ۱۰۲۸ھ (۵) مرزا عیسیٰ خان ۱۰۳۷ھ (۶) ابوالبقا امیر خان ۱۰۵۴ھ (۷) میرزا عبدالرزاق معموری ۱۰۴۹ھ (۸) سید ابراہیم ۱۰۵۵ھ (۹) لعل خان ۱۰۵۷ھ (۱۰) ظفرخان ۱۰۶۳ھ (۱۱) قباد خان ۱۰۶۹ھ (۱۲) لشکر خان ۱۰۷۱ھ (۱۳) غضنفر خان ۱۰۷۵ھ (۱۴) عزت خان ۱۰۷۸ھ (۱۵) ابو نصرت خان ۱۰۸۲ھ (۱۶) سعادت خان ۱۰۸۴ھ (۱۷) خانزادہ خان ۱۰۹۰ھ (۱۸) سرور خان ۱۰۹۵ھ (۱۹) مرید خان ۱۰۹۹ھ (۲۰) زبردست خان ۱۱۰۱ھ (۲۱) حفظ

اللہ خان ۱۱۰۳ھ (۲۲) سعد خان ۱۱۱۳ھ (۲۳) امیر امین الدین حسین ۱۱۱۴ھ (۲۴) یوسف خان ۱۱۱۵ھ (۲۵) احمد یار خان ۱۱۱۶ھ (۲۶) سعید خان ۱۱۲۰ھ (۲۷) مھین خان ۱۱۲۱ھ (۲۸) شاکر خان ۱۱۲۳ھ (۲۹) خواجہ محمد خلیل خان ۱۱۲۴ھ (۳۰) عطر خان ۱۱۲۵ھ (۳۱) میر لطف علی خان ۱۱۲۵ھ (۳۲) اعظم خان ۱۱۲۸ھ (۳۳) بائی خان ۱۱۳۲ھ (۳۴) محمود خان ۱۱۳۵ھ (۳۵) سیف اللہ خان ۱۱۳۷ھ (۳۶) دلبر خان ۱۱۴۳ھ (۳۷) ہمت دل خان ۱۱۵۴ھ (۳۸) صادق علی خان ۱۱۴۹ھ

سندھ پر سلطان محمود کولتاش عرف سلطان محمود بکھری کی حکومت

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ میرزا شاہ حسن کی زندگی ہی میں سندھ کی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ کا دارالسلطنت ٹھٹھہ جس کا حاکم میرزا عیسیٰ ترخان اور دوسرے حصہ کا دارالحکومت بکھر جس کا حاکم سلطان محمود خان کو کلتاش عرف محمود بکھری تھا۔ سلطان محمود خان بن میر فاضل بن میر عادل بن احمد، خواجہ اصفہانی النسل تھا۔ ان کے بزرگ خراسان میں رہتے تھے۔ اس کا شجرہ بادشاہ چین سے ملتا ہے۔

سلطان محمود ۹۶۲ھ میں بکھر میں آیا اور مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ ۹۶۵ھ میں ولی بیگ کی کوشش سے خان خانان بیرم کی عزیزہ گوہر تاج خانم بنت تردی بیگ، سلطان محمود خان کے عقد میں آئی۔ بیرم خان، تردی بیگ اور سلطان محمود شیعہ عقائد کے تھے۔ سلطان محمود جب حاکم بکھر ہوا تو حکومت ایران کی طرف سے سید جعفر مشہدی، امام رضا علیہ السلام کے روضۂ پُرانوار کے نوبت خانے سے ان کے لئے نقارہ لے کر آیا جس کو سلطان محمود نے بہ سرو چشم قبول کیا اور مزید سعادت حاصل کرنے کے لئے نقاروں کی اور ۹ جوڑیاں عمدہ کوس کی بنوا کر آستانۂ قدس کیلئے ہدیۃً پیش کیں۔

شاہ طہما سپ صفوی ایرانی بادشاہ سے سلطان محمود کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ شاہ طہما سپ نے انہیں "خان" اور "سلطان" کے القاب سے نوازا اور اکبر بادشاہ سے تحریراً سفارش کی کہ سلطان محمودکو "خان لارخانی" (خان خانان) کا خطاب دیا جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں اکبر بادشاہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ پورے ہندوستان کے

نواب راجہ اور مہاراجہ ان کے زیرِ نگر تھے ۔ محمود خان عمر رسیدہ ہو گئے تھے اور اولاد نرینہ سے محروم تھے ایک دختر اللہ نے انہیں دی تھی اس سے محمود خان کی درخواست پر شہنشاہ اکبر نے عقد کرلیا ۔ ۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر کے حکم سے اعتماد خان محمود خان کی بیٹی کو لینے کیلئے بکھر پہنچا ۔ وہ شہنشاہ کی طرف سے اپنے ساتھ محمود خان کیلئے تحفتاً تلواریں ، چارہاتھی اور نُقری سازو ساماں سے مرصّع گھوڑے لایا تھا۔ ۹۶۹ھ میں شاہ طہماسپ نے اپنے ایلچی تردی بیگ کے توسط سے ایک سرخ رنگ یاقوت سے مزیّن ہار ، مرصّع کمر بند ، قیمتی خلعت ، چتر ، اتاغہ ، جیغۂ زلف ، عقار اور مختلف اقسام کے عطیات و شاہی انعامات سلطان محمود کے لئے بھیجے اور انہیں " خان خانی " کے خطاب سے سرفراز کیا .

سلطان محمود ایک جامع صفات انسان تھے ۔ شجاعت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار مرتبہ قرآن مجید کی تکمیل تلاوت کا شرف حاصل کیا۔ خود ذی علم ہونے کے ساتھ ساتھ علماء و سادات کے قدردان تھے۔ ان کے دوَر میں چند جلیل القدر شیعہ علماء و سادات کا تذکرہ ملتا ہے جن کی وہ نہایت عزت اور احترام کرتے تھے ۔ ان میں سے شاہ قطب الدین ہروی عرصۂ دراز سے " شیخ الاسلام" کے عہدے پر فائز رہے ۔ میر سید صفائی بن سید مرتضی حسینی ترمذی بکھر میں رہائش پذیر تھے کچھ عرصہ انہوں نے سہوہن کے چھوٹے سے گاؤں کھابڑوٹ کے ایک سادات گھرانے میں شادی کی ۔ میر معصوم اور ان کے دو بھائی انہی کے فرزند ہیں ۔ میر سید صفائی ایک معتبر عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ شاہ قطب الدین کے انتقال کے بعد سلطان محمود نے انہیں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیا۔ انہوں نے ۹۹۱ھ میں وفات پائی ۔

مذکورہ علماء کرام نے سلطان محمود کے دوَر میں مذہبِ اہلبیتِ رسالت کی اشاعت کی۔ یہی وہ سازگار دوَر تھا جس میں محبانِ اہلبیت کو علاقائی طور پر اپنے عقائد کے اظہار کا کھلم کھلا موقع ملا جس سے پرانے چہروں کے ساتھ ساتھ نئے چہرے بھی دوش بدوش آلِ محمد علیہ السلام کے فضائل بیان کرنے لگے۔

ٹھٹھہ اور بکھر میں اس وقت تک دہلی دربار سے حاکم مقرر ہوتے رہے جب تک مغلیہ

حکومت طاقتور رہی ، ۱۱۳۱ھ میں محمد شاہ کے دور میں مغلیہ سلطنت کمزور ہونے لگی تو کلہوڑوں کا خاندان سندھ میں طاقت پکڑنے لگا ، جسکی وجہ سے دہلی سے سندھ میں نوابین کا آنا بند ہوگیا اور سندھ پر بلوچوں کی مدد سے کلہوڑا خاندان نے اپنا راج قائم کرلیا۔

ارغون اور ترخانوں کے دوَر میں شکر الاہی سادات کا مورثِ اعلی سید شکر اللہ الحسینی ، شیراز سے ٹھٹھہ پہنچے یہ سادات محبِ اہلبیتؑ اثناعشری تھے "تحفۃ الکرام" کے مصنف میر علی شیر قانع اسی سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ انجوی سادات یا نقوی سادات بھی اسی دوَر میں ٹھٹھہ میں آکر آباد ہوئے ۔ ماژندرانی سادات کا مورثِ اعلیٰ سید بدر الدین الحسینی ترخانی دوَر میں یہاں پہنچے یہ تمام بزرگ محبانِ اہلبیت و اثنا عشری تھے ۔

سندھ میں ارغون و ترخان کے دوَرِ حکومت میں ایرانی باشندوں کے لئے سندھ کا دروازہ کھلا ہوا تھا ۔ اور جب شاہ طہماسپ صفوی کی مدد سے معزول شہنشاہ ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کیا تو ہندوستان پر ایرانیوں کا اثر پڑنے لگا ۔ ہمایوں نے ایران کے سفر میں خواجہ اروبیلی کی قبر کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد مذہبِ اہلبیتؑ پیمبرؐ اختیار کیا ۔ ارغون و ترخان حکمرانوں نے سندھ میں شاہ طہما سپ صفوی کی طرح جرات سے کام لیکر جمعہ کے خطبہ میں آئمہ اثنا عشری کے اسماء گرامی شامل کرنے اور اذان میں " اشهدان عليا ولی اللّٰہ " کا صیغہ شامل کر لیا ۔ یہ حکمران یکے بعد دیگرے مذہبِ اہلبیتؑ کو ترقی دیتے رہے ۔ مغل حکمران اہل سندھ کی اہلبیتؑ سے محبت پر بہت خوش تھے ، اسی لئے سادات کرام ، علماء عظام اور محبانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے امداد کرتے تھے . بابر نے تزک بابری میں ہمایوں کو جو وصیت کی ہے اس میں لکھا ہے کہ " شیعہ و سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کیا جائے اس لئے کہ ایسے اختلافات کی وجہ سے اسلام کمزور ہوجاتا ہے " ارغونوں اور ترخانوں نے بھی سندھ میں اسی وصیت پر عمل کیا اور کبھی بھی اس طرح کے اختلافات سندھ میں پیدا نہیں ہوئے ۔ بلکہ یہاں دینِ اسلام کی بنیادیں ہی مضبوط ہوئیں ۔ اور شیعہ علماء کی

موجودگی میں غیر مسلم اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں سے دور رہے ۔ سندھ میں عربوں کے دوَر سے ہی محبانِ اہلبیتؑ رہتے آئے ہیں ۔ اسلئے سندھ میں سرکاری ملازمین اور تجارتی طبقہ کے لوگ تقریباً اثناء عشری تھے ۔

سندھ پر کلہوڑوا خاندان کی حکومت

سندھ میں مغل گورنروں کی حکومت کا سورج غروب ہوتے ہی کلہوڑا خاندان کا آفتاب سلطنت طلوع ہوا ۔ کلہوڑہ نسلی طور پر عباسی تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب جناب رسالتمآبؐ کے چچا حضرت عباس سے جا کر ملتا ہے ۔ ان کے بزرگ ۲۵۹ھ میں سندھ آئے، اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا ۔

کلہوڑوں کا مورثِ اعلیٰ میاں اوڈھانو کیچ مکران میں پیری مریدی کا سلسلہ رکھتا تھا۔ ان کا پوتا چینا (جونیا) مکران سے کوچ کر کے سندھ آیا جہاں انہوں نے ۱۲۲۰ء میں وفات پائی۔ ان کا بیٹا محمد بن چنہ بن بہلیل بن میاں اوڈھانو کلہوڑوں اور داؤد پوتہ کا جدامجد تھا چونکہ یہ لوگ کلورا نامی پہاڑ پر رہتے تھے اس لئے ابتداءً کلورا کہے جانے لگے بعد ازاں کلہوڑا مشہور ہوگئے ۔

میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں کہ اس خاندان کا پہلا فرد اوڈھانو نامی کیچ اور مکران پہنچا اور اپنے فقر اور درویشی کی وجہ سے مرجع خاص و عام بنا ۔ اس کے بعد اس کی پانچویں پشت میں سے تھل کھاہر بیلے میں آیا اور گوجر قوم کی مدد سے گوجر قوم کو شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کیا مگر ان دونوں میں سے کسی کے وارد ہونے کا زمانہ متعین نہیں کیا گیا ہے ۔ البتہ وہ چینہ خاں کے بیٹے محمد کے متعلق لکھتے ہیں کہ سات رانیوں کی مدد سے اس نے ملتان آکر حاکم وقت کے دربار میں رسائی حاصل کی اور بعدازاں تمام کا سردار بن گیا ۔

تاریخ سندھ کے مصنف قدوسی صاحب ، مراۃ عباسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتےہیں کہ عباسی خاندان کے ایک امیر سلطان احمد ثانی نے ایک رات حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی اور ان کی خدمت میں التجا کی کہ یا مولا ! بادشاہی

حاصل کرنے میں میری مدد فرمائیے اس پر امام زین العابدین علیہ السلام نے اسے سندھ جانے کا ارشاد فرمایا۔

تاریخی شواہد کے مطابق اس خاندان میں سب سے پہلی شخصیت جو ابھر کر سامنے آئی وہ امیر محمد چینے خان کی ہے۔ لہذا امیر محمد چینو خان دربارے شاہی میں رسائی حاصل کرنے کے لئے سندھ کے ممتاز زمینداروں کے تعاون سے حاکمِ ملتان کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے گھر میں جو خاندانی جواہرات و سرمایہ موجود تھا اسے بیچ کر ٹھٹھہ سے صندل کی لکڑی سے بنے ہوئے اعلیٰ صندوق لئے نمونہ کے، گلاب و دیگر عطریات کی نفیس و دیدہ زیب بوتلیں اس میں سربہ مہر کیں اور ان کو ریشمی غلاف قیمتی اور نقش و نگار سے مزیّن کر کے حاکم ملتان کے پاس پہنچا۔ جس سے ساتھ آنے والے زمینداروں کے دلوں میں حسد پیدا ہوگیا لہذا اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگے۔ جب یہ ملتان پہنچے اور تمام لوگ خیمہ زن ہوئے گئے۔ تو زمینداروں نے موقع پاکر صندل کے ڈبوں، گلاب و دیگر عطریات کی بوتیلوں کو خالی کرکے ان میں مٹی اور پتھر بھردیئے محمد چینو خان اس سازش سے بے خبر تھا۔ لہذا جب وہ یہ تحائف و سوغاتیں حاکم کے سامنے پیش کرنے لگا تو انہیں تبدیل دیکھ کر اس کا چہرہ متغیر ضرور ہوا لیکن بگڑی بات بنانے کے لئے اس نے بے خوف ہو کر عرض کی کہ یہ وہ پتھر ہیں۔ جنہوں نے رسولؐ اللہ کے دستِ پاک پر ابوجہل کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دی تھی اور یہ مقدس مٹی مدینہ منورہ، نجف اشرف، سامرہ اور کربلائے معلیٰ کی ہے۔ یہ تمام چیزیں مجھے اپنے بزرگوں سے ورثِ میں ملی ہیں۔ آج تک میں نے ان کو اپنے سینے اور آنکھوں سے لگا کر رکھا ہے۔ لیکن آج یہ تمام مقدس اشیاء کا آپ کو بطور نظرانہ پیش کر رہا ہوں۔ حاکم وقت یہ سنکر بے حد خوش ہوا اور اسے ایک مناسب جاگیر بطور انعام عطا کردی اور حکم نامہ بھی جاری کردیا کہ آج سے لیکر اباوڑی سے لاہری بندر تک پورے سندھ کی لگان محمد چینو خان کے ہاتھوں شاہی خزانے میں جمع کروائی جائے اور اس کے علاوہ انہیں "جام" کا لقب عطا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ زمینداروں کی سازش سے محمد چینو خان گستاخی اور سزا کا مستحق تھا۔ لیکن معجزانہ طور پر آلِ محمدؐ کی مہربانیوں سے اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کس طرح پتھر اور مٹی کا مرتبہ بڑھایا جائے؟ چونکہ اسلام میں نسبت کو عزت ہے پس ان تبرکات کی وجہ سے وہ اعلیٰ مقام حاصل کر گیا۔

محمد چینو خان کریم الطبع ، متواضع ، عادل ، پاکدامن ، شریف ، منصف ، رحیم ، شفیق و بہادر انسان تھے ان کی وصیت کے مطابق ان کی دستار ان کے بڑے بیٹے محمد مہدی کے حصہ میں آئی اور قرآن مجید ، تسبیح اور مُصلّہ ان کے چھوٹے بیٹے دائود خاں کو ملا ۔ جام چینو خان نے کھمبات میں وفات پائی ۔

میاں آدم شاہ جو محمد چینو خان کی نویں پشت میں سے تھے انہوں نے اس خاندان کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر آسمانِ شہرت و اقبال کا چاند بنا دیا ، انہیں میرزا عبدالرحیم خان خانان نے چانڈ کا سرسبز و شاداب صوبہ بطور جاگیر دیا ۔ خان بہادر خدا داد خان کا کہنا ہے کہ " میاں آدم شاہ بڑے بزرگ و خدا پرست تھے " بعض مخالف زمینداروں کی سازش سے بکھر کے حاکم کے ہاتھوں قید ہو کر ملتان لے جائے گئے اور قید خانے ہی میں وفات پائی ۔ ان کی لاش سکھر لا کر ٹکری پر دفن کی گئی ۔

میاں آدم شاہ کے بعد میاں الیاس آدم شاہ گدی نشین ہو کر مریدوں کا حلقۂ درس بڑھانے کی کوشش کرنے لگے ۔ اس طرح میاں الیاس زہد و تقویٰ کی وجہ سے ایک بڑی جماعت کے پیشوا بن گئے۔ یہ لاڑکانہ اور ہٹڑی کے درمیان میں ڈبھرے میں دفن ہوئے ۔

میاں الیاس کی بعد ان کے بھائی میاں شاہ علی بامشہور عرف شاہل تخت نشین ہوئے۔ یہ ایک متقی اور پرہیز گار شخص تھے ۔ انہوں نے حاکم وقت سے زمین لے کر اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کردی ۔ جس کے ردِ عمل میں قریبی زمینداروں نے حاکم بکھر سے شکایت کردی جس نے انہیں قتل کروادیا ۔ انہیں صوبہ گھاڑے کے قریب دفن کیا۔ جس پر میاں غلام شاہ نے ۱۱۸۸ھ میں ان کا مقبرہ بنوایا ۔

میاں نصیر محمّد

۱۰۶۸ھ میں میاں نصیر محمد بن میاں الیاس سجادہ نشین ہوئے ۔ یہ میاں شاہ علی کے بھتیجے تھے ۔ مراۃ عباسیہ میں مرقوم ہے " میاں نصیر محمد بن الیاس محمد مرحوم مرقوم درعالم عبادت مجتھد وقت گردید "

میاں محمد نصیر ، کلھوڑا خاندان میں پہلے شخص ہیں جن کی حیثیت تاریخی اعتبار سے مستند ہے ۔ ان کے زمانے میں کلھوڑا حکومت کی بنیاد پڑی ۔ چونکہ یہ اپنے بزرگوں سے بھی اعلیٰ مقام پر پہنچے اسلئے بہت سے لوگ ان کی جماعت سے حسد کرنے لگے جس کے نتیجے میں حاکم بکھر بالآخر نے لشکر کشی کر کے انہیں عالمگیر کے دربار میں بھیجا دیا جہاں عرصہ دراز قید میں رہنے کے بعد وطن واپس آئے اور پہلے سے زیادہ مستحکم حکومت قائم کر کے بہت سے صوبے فتح کئے اور ایک نیا شہر نوشہرہ آباد کیا ۔ میاں نصیر نے ۳۶ برس حکومت کی اور کاچھے میں گاڑھیجو بنا کر وفات پائی ۔

میاں دین محمّد

۱۱۰۳ھ میں میاں دین محمد بن میاں نصیر محمد تخت نشین ہوئے انہوں نے آبائی رشدوہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ۔ لیکن وہ سازشی زمیندار جو میاں نصیر محمد کے زمانے میں خاموش ہو گئے تھے ۔ خفیہ طور پر جنگی تیاریاں کرنے لگے ۔ شکار پور کے پنہوراور پٹھان بھی شاہی حکم کے تحت ان کے ساتھ مل گئے لیکن جوانانِ سرائی قوم نے انہین بھگا دیا جو میاں دین محمد کے مرید تھے ۔ اس قسم کی دو تین مرتبہ جھڑپوں کے بعد بالآخر مغل بادشاہ عالمگیر نے شہزادہ معزالدین کو لشکر کے ساتھ بھیجا ۔ زبردست جنگ کے بعد میاں دین محمد کو لاہور میں قید کردیا گیا جہاں انہوں نے بقیہ ایامِ زندگی گذار کر ملتان میں وفات پائی ۔

میاں یار محمّد

میاں دین محمد کی وفات کے بعد یار محمد المقلب بہ " خدا یار خان " قلات کے

بروہیوں کی مدد سے پنہوروں سے شکارپور کو لے لیا اور بعد میں خداآباد تعمیر کروایا۔ شہزادہ معزالدین جب بکھر آیا۔ تو میاں یار محمد ان کی سلامی کے لئے گئے جس پر شہزادہ نے خوش ہو کر انہیں "خدا یار خان" کا خطاب دیکر سوئی کا حاکم مقرر کردیا۔ میاں یار محمد نے ۱۱ ذیقعد ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

میاں نور محمّد کلھوڑو

۱۷۱۹ء میں کلھوڑہ خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔ کلھوڑا حکمران خاندان نبوت کے شیدائی تھے اور شیعہ اثناء عشری تھے۔ آخری تاجدار سندھ میر محمد نصیر خان ٹالپر پر جو مظالم ہوئے ان کے متعلق میر صاحب نے ملکہ وکٹوریہ کو جو عرضداشت پیش کی اس میں صاف صاف تحریر کیا کہ "کلھوڑہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے"

میاں یار محمد کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند میاں نور محمد مسند نشین ہوے اور یہاں سے یہ خاندان درویشی و فقر کے دائرہ سے نکل کر باقاعدہ ایوان شاہی میں داخل ہوا۔ ان کی مسند نشینی کا سال ۱۱۳۱ھ ہے۔ میاں نور محمد کا دوَر حکومت سندھ کی تاریخ کا درخشاں باب ہے وہ عظیم المرتبت شخصیت کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں وہ نمایاں خدمات سرانجام دیں جو تاریخ سندھ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ میاں نور محمد صلح پسند، علم و فضل اور شعر و ادب کے قدردان تھے۔ ان کے دوَر میں عالم، شاعر اور ادیب نہایت مطمئن اور خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ میاں نور محمد خان کو ان کے والد نے "خدا یار خان بہادر ثابت جنگ" کا لقب عطا کیا تھا۔ میاں نور محمد نے شکارپور پر قبضہ کرنے کے بعد قلات پر حملہ کیا اور وہاں کے خان سے جنگ لڑی جس پر بادشاہ نے سیوہن اور ٹھٹھہ ان کے حوالے کردیا۔ میاں نور محمد خود لاڑکانہ میں جا کر بیٹھ گئے اور اپنے بیٹے محمد مراد یاب کو ٹھٹھہ کی طرف روانہ کیا۔ ٹھٹھہ پر حملہ نادر شاہ کی وجہ سے ہوا۔ محمد مراد یاب ٹھٹھہ سے بھاگ کر لاڑکانہ میں اپنے باپ کے پاس آگیا بعد ازاں میاں نور محمد لاڑکانہ سے بھاگ کر عمر کوٹ پہنچا جہاں ۲۹ ذیقعد ۱۱۵۲ھ کو بادشاہ نادر شاہ اچانک کوٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ میاں نور محمد نے اپنی رعایا کو نادر شاہ کے مظالم سے بچانے کے لئے خود کو پیش کردیا اور کڑوڑوں روپیہ اور جواہرات نادر شاہ کو بطور

خراج دیئے بعدازاں نادر شاہ انہیں لاڑکانہ لے گیا۔ جہاں انہیں "شاہ قلی خان" کا خطاب دیکر سندھ کا حاکم مقرر کردیا اور سالانہ خراج کے عیوض نادر شاہ میاں نور محمد کے دو فرزند محمد مراد یاب اور غلام شاہ کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ ایران لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد نادر شاہ نے میاں نور محمد کا تیسرا بیٹا عطر خان بھی اپنے پاس بلوا لیا۔

۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ کے انتقال کے بعد احمد شاہ ابدالی بادشاہ ہوئے۔ جنہوں نے میاں نور محمد کو "شاہنواز خان" کا خطاب دیا۔ اور ان کے بیٹوں کو آٹھ سال بعد رہا کر دیا۔ میاں نور محمد کے بیٹے آکر اپنے باپ سے ملے۔ میاں نور محمد نے جیسلمیر میں ۱۲ صفر ۱۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ ان کی لاش محمد آباد ضلع نواب شاہ میں دفن کی گئی۔ میاں نور محمد خان ایک پرہیزگار اور متقی انسان تھے۔ دنیوی مشغولیات کے ساتھ ساتھ دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ آج ان کی تعقیبات کی قلمی کتاب موجود ہے۔ جس میں چہاردہ معصومین علیہم السلام سے منقول شدہ دعائیں سنہری حروف سے لکھی ہوئی ہیں۔

تاریخی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ میاں نور محمد خان خوش نویس بھی تھے اور خطاطی کے چھ خط لکھنا جانتے تھے۔ میاں صاحب نے انتہائی مشغولیات کے باوجود عالمگیر اعظم اور سلطان ابراہیم غزنوی کیطرح قرآن شریف کے چار نسخے اپنے ہاتھ سے کتابت کئے۔ میاں صاحب نے ایک قرآن مجید تحریر کرکے حضرت امام رضاؑ کے روضۂ اطہر پر بطور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ آج بھی وہ قرآن مجید مشہدِ مقدس کے میوزم میں شمارہ نمبر ۱۵۴ پر محفوظ ہے۔ یہ قرآن شریف میاں صاحب کے وزیرِ خارجہ میاں سید لطف اللہ عرف میر متارو اور شیخ غلام محمد خان کے توسط سے ضریحِ مقدس امام رضا علیہ السلام پر پیش کیا گیا۔ میاں صاحب کے درباری شعراء میں مولوی محمد محسن ٹھٹھوی بہت مشہور ہیں۔ جنہوں نے میاں صاحب کے کتابت کردہ قرآن مجید پر دو قطع تاریخ لکھے ہیں۔ جن میں سے یہ قطع قرآن شریف کی کتابت کے ابتداء میں لکھا ہے۔

بنان تو تاگشت مصحف نگار — بنوک قلم گوهر راز سفت
زهاتف شنیدم بسال شروع — که "انا فتحنالک الفتح" گفت

۱۱۶۰ھ

اسی طرح قرآن مجید کی کتابت کے اختتام پر محسن ٹھٹھوی نے یہ قطع تاریخ لکھا ہے۔

چو از نخل کلک گھر سنج تو کلام الاھی گـرفت اختتام
پئی سال تاریخ اتمام آن ملک برفلک گفت "ختم الکلام"

۱۱۶۳ھ

اس نسخہ سے قبل نور محمد خان نے ایک قرآن پاک کا نسخہ ۱۱۴۸ھ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضۂ پاک پر بطور نذرانۂ عقیدت روانہ کیا تھا۔ آپ کا کتابت کردہ یہ کلام پاک بھی مشہدِ مقدس کے رضویہ میوزیم میں شمار ۱۲۲ پر محفوظ ہے۔

مذکورہ قرآن پاک خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، جو اول تا آخر نفیس نقاشی کا نمونہ ہے، کلام پاک کی کتابت کرنے والے سیّد جعفر محمد خان بن سید محمد باقر خان حسینی ہیں۔ جنہوں نے تاریخ ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۱۴۸ھ کو قرآن مجید کی تکمیل کی جسکے مادہ تاریخ یہ ہیں۔

" و تمت کلمته ربه " " تمام القرآن بجمیل مدد السبحان "

۱۱۴۸ھ ۱۱۴۸ھ

اختتامی تحریر " واقف، خدایار خان بہادر ثابت جنگ عباسی (میاں نور محمد خان) ۱۱۴۸ھ

نور محمد را چو توفیق خاص خویش داد
مصحف نگار کلک او گل ریز ارقام آمدہ
خط نظام دولتت من احسن القرآن فزود
آری نکوئ پیشه را نیکی سر انجام آمدہ
از بائ بسم اللہ به بین تا سین والناس از خدا
کز نخل گلشن تا چه گل در گلشن نام آمدہ
هر سطر رنگ آمیز آن باشد خیابان جناں
هر حرف حرفش حورئ کو بر لب بام آمدہ
چوں شد شب دوشنبه وهم نیمه شعبان تمام
" ختم کلام ایزدی " تاریخ اتمام آمدہ

۱۱۶۳ھ

میاں نور محمد خان نے ۱۱۴۰ھ میں ٹھٹھہ کی مشہور امام بارگاہ " جلوہ گاہ امامین " تعمیر کرواکر مذہب حقہ کی خدمت سرانجام دی ۔ جہاں محبان اہلبیتؑ عزائے حسینؑ میں شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کرتے رہے ۔

کتاب " منشور الوصیت " میاں نور محمد خان کی تصنیف ہے ۔ جس میں اپنے بیٹوں کو اس طرح وصیت کرتے ہیں ۔

" اہلبیتؑ کی محبت ہمیشہ اور ہر وقت یکساں ہونی چاہیئے اور ذوالقربیٰ کی محبت فرض عین اور عین فرض ہے " پھر آگے تحریر کرتے ہیں ۔

" اہلبیتؑ کی محبت ضروری ہے ۔ جس شخص نے جو بھی کچھ حاصل کیا ہے وہ اہلبیتؑ کی محبت کے صدقے میں حاصل کیا ہے "

" اہلبیتؑ کی محبت ہمیشہ اور ہر وقت یکساں ہونی چاہیے اور ذوالقربیٰ کی محبت فرض عین اور عین فرض ہے " ۔

پھر آگے تحریر کرتے ہیں :

سید عظیم الدین ٹھٹھوی "فتحنامہ" میں میاں نور محمد کی مدح لکھتے ہیں کہ

خدا یار خان سرور نامور
بنور محمد رخش جلوہ گر
عجب مرد خوش دین و پاک اعتقاد
که در خدمت حق به پا ایستاد
اگر طفل عریان ز آل رسول
بمی کرد در مجلس او نزول
به آن شوکت مهتری و مهی
بپا ایستادی چو سرو سهی

میاں نور محمد خان کی وفات کے بعد ان کا بڑا بیٹا میاں محمد مراد یاب المقلب " سربلند خان " ۱۱۶۷ھ میں سندھ کا حاکم ہوا ۔ یہ ایک صوفی منش انسان تھا ۔ جلد ہی '

نے اپنے مریدوں کا حلقہ وسیع کر لیا۔ جس میں فقیر، بلوچ اور جت شامل تھے۔ جس پر امراء نے مخالفت کی اور آپ کو معزول کر کے قید کر دیا۔ قید سے رہائی پانے کے بعد آپ پرانے خدا آباد میں رہائش پذیر ہوئے جہاں ہر وقت غمگین رہتے تھے۔ بالآخر ۱۱۷۱ھ میں زہر خوارنی کی وجہ سے وفات پائی۔

میاں غلام شاہ کلہوڑا

میاں مراد یاب کے بعد ۱۱۷۰ھ میں سندھ کا حکمران بنایا گیا یہ میاں نور محمد کا پانچواں بیٹا تھا۔ میاں غلام شاہ نہایت نیک سیرت، شجیع اور بہادر انسان تھا، اس نے سندھ پر ۱۶ سال نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت کو کلہوڑوں کے دور کا سب سے زرین دور کہا جاتا ہے۔ اس نے اپنے ملک میں امن و امان کو برقرار رکھا اور شرپسند عناصر کا خاتمہ کر کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچایا۔ بستہ بندر اور لکھپت وغیرہ راؤ کچھ سے حاصل کر کے اپنے ملک کو وسیع کیا اس طرح کراچی اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو خان قلات بروہی سے لیکر سندھ کی حکومت کو وسیع کیا۔ اس نے عوام کی روحانی و اخلاقی اقدار کو بلند کرنے کی بھی کوشش کی۔ ۱۱۷۵ھ میں غلام شاہ کو شاہی دربار سے "ہنر بر جنگ شاہ ویردی خان" کا خطاب ملا اور حکومت سندھ کی سند بھی دی گئی۔ بعد ازاں ۱۱۷۶ھ میں میاں غلام شاہ خان کی کچھ سے فاتحانہ واپسی پر انہیں افغان دربار سے "صمصام الدولہ" کا خطابق عطا کیا گیا۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا علماء، فضلاء اور شعراء کے نہایت قدردان تھے۔ انہوں نے ایک ایرانی نژاد خاتون سے شادی کی۔ میاں سرفراز خان اسی ایرانی نژاد خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ میاں غلام شاہ کو تعمیرات کا بیحد شوق تھا. اس نے اپنے دور حکومت میں بہت سے مقامات کو دارالحکومت بنانے کا ارادہ کیا۔ مگر آخر میں اس نے سندھو ندی کے کنارے حیدرآباد کو اپنا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ مقام اسلام سے پہلے نیرون یا نیرون کوٹ کے نام سے مشہور تھا۔ میاں صاحب نے ۱۱۸۲ھ میں اس مقام پر قلعہ تعمیر کروانے کا حکم دیا۔ جب قلعہ کی تعمیر مکمل ہو گئی تو اس شہر کا نام "حیدرآباد" رکھا گیا۔ ماہ ذوالحج میں ڈیرہ غازی خان سے

واپس آکر یہاں سکونت اختیار کی ۔ میاں غلام شاہ کے بیٹے میاں سرفراز خان عباسی فارسی زبان کے اعلیٰ شاعر گزرے ہیں ۔ انہوں نے حیدرآباد کے قیام پر یہ اشعار کہے ۔

در گلستان دانش و عرفان
بلبل طبع من کشود زبان
ای که داری خرد بیا بشنو
از زبان من خجسته بیان
که به سال نکو به ماه سعید
وز عنایات حضرت یزدان
حکم شد از جناب خاقانی
چون نزولِ قضا بر اهل جهان
از جنابی که پاسبانی او
فخر باشد به قیصر و خاقان
آنکه از هیبتش فلک لرزد
همچو بیدی که او بود لرزان
مخزن سر حق میان صاحب
مظهر لطف ایزد منان
سرور دین غلام شاه نجف
خادم الفقر شهر یار جهان
تاکه سازند قلعه محکم
که بماند به دهر جاویدان
قلعه ای شد بنا که مانندش
کس ندیده ست درهمه دوران
قلعئه محکمه و رفیع که نیست
همچو این لاجورد گون ایوان

سعی کردند جملئه از خویش
بهر تاریخ او سخن سنجان
هر کسی گفت مصرع تاریخ
زاده طبع چون در غلطان
نوبت آمد بمن سخن سنجی
من که بودم زجمله هیچمدان
غوطه خوردم به بحر فکر و خیال
متحیر چو مردم حیران
ناگهان گفت هاتفی که بگو
چون که هستی تو سرفراز جہاں
از عطاهائ واهب دیان
حیدرآباد گشت آبادان

۱۱۸۲ھ

میاں غلام شاہ نے قلعۂ حیدر آباد کے صدر دروازہ پر جو صندلی نما پتھر نصب کروایا۔ وہ پتھر آج بھی موجود ہے جس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے۔

۱۔ اللہ اکبر اللهم صلی اللہ وسلم علیٰ
محمد و علیؑ و فاطمہؑ

۲۔ والحسنؑ والحسین و علیؑ و محمد و جعفرؑ و موسیٰؑ و علیؑ

۳۔ و محمد و علیؑ والحسنؑ و محمد المهدیؑ الهادی

۴۔ بامر عالی مظهر ولایت میاں غلام شاه خان عالی بن نور
محمد بن میاں یار محمد بن میاں نصیر محمد عباسی
(ترتیب) یافت

۵۔ یارب اجعل هذا البلد آمنا

تعمیر قلعہ اور افتتاحی پتھر کی تنصیب کے بعد میاں غلام شاہ نے صدر دروازہ کے سامنے قلعہ کی نگھبانی کے لئے دو مساجد تعمیر کروائیں مذکورہ مساجد آج بھی حیدرآباد میں بطور یادگار موجود ہیں ۔ پہلی مسجد ہومسٹیڈ ہال کی چاڑھی کے اوپر ڈاکٹر امینہ اشرف اسپتال کے برابر ہے ۔ جسے ۱۹۷۷ء میں مہندم کر کے از سر نو تعمیر کرایا گیا اور دوسری مسجد طاہر بازار کے قریب عبدالکریم تیوری کی گلی میں قدیمی حالت میں موجود ہے۔ اول الذکر مسجد میں طالب شاہ کو اور مؤخر الذکر مسجد میں رحمت اللہ خان کو ٹالپر حکمران میر غلام علی خان ٹالپر نے اپنے دورِ حکومت میں مسجد کی نگہداشت کے لئے مقرر کیا۔

میاں صاحب نے بعدازاں دوسرا قلعہ مٹی کا بنوایا جو آج کچا قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ حیدرآباد میں اسٹیشن سے لطیف آباد کی طرف جاتے ہوئے مکی شاہ روڈ پر واقع ہے ۔

میاں صاحب ۱۱۸۶ھ میں انتقال کر گئے ۔ میر علی شیر قانع نے ان کی تاریخ وفات اس طرح بیان کی ہے ۔

غلامِ شاہ کہ بودہ غلام شاہِ نجف
مقام کرد ارم ہمدمی بشاہِ نجف
۱۱۶۸ھ

میاں صاحب کے فرزند میاں محمد سرفراز خان کی تصنیف کردہ تاریخ وفات یہ ہے

سال تاریخش " سرفراز " از خیال
جستجو می کرد باصد اختلال
ناگھان تنزیل در داد این ندا
ھاتفی جنات فیھا خالدا
۱۱۸۶ھ

میاں سرفراز خان عباسی

میاں غلام شاہ کے انتقال کے بعد ۱۱۸۶ھ میں میاں محمد سرفراز خان تخت نشین ہوئے ۔ ان کی مسند نشینی کے دو ماہ بعد احمد شاہ ابدالی نے ۲۰ رجب ۱۱۸۷ھ کو وفات پائی اس زمانے میں چونکہ سندھ افغانستان کے زیر تسلط تھا اسی لئے میاں سرفراز نے ، میر بہرام خاں ٹالپر کو تیمور شاہ کی طرف قندھار بھیجا ۔ تیمور شاہ نے میاں سرفراز خان کو خلعت ، سنَدِ حکمرانی اور " خدایار خان " کا خطاب دیا ۔

سندھ کے تمام مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ میاں سرفراز خان جیّد عالم ، سخن فہم، سخن سنج اور عظیم سخنور تھے۔ مشہور شعراء اور بڑے جیّد عالم آپ کے دربار سے وابستہ تھے ۔ سخاوت و فیاضی میں بھی آپ بے مثل تھے ۔

میاں سرفراز خان کی تربیت ان کے والد کی نگرانی میں ہوئی ۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ایرانی علماء سے حاصل کی ۔ آخر میں میاں سرفراز خان کو اپنے زمانے کے اہل کمال مولوی غلام علی مداح کی صحبت میسر ہوئی ۔ جنہوں نے انہیں علمِ عروض کی تعلیم دی ۔ میاں سرفراز خان اپنے دادا میاں نور محمد خان کی طرح بہترین خطاط بھی تھا ۔ خطاطی کے فن میں ان کے استاد محمد عالم مقطوع الیدین ٹھٹھوی تھے ۔ بزرگوارم میرزا عباس علی بیگ مرحوم کے پاس میاں سرفراز عباسی کی تحریر کردہ تعقیبات کی بیاض موجود ہے جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ :

" اس میں مختلف اقسام کی عربی زبان میں شیعہ عقائد کی دعائیں لکھی ہوئی ہیں ۔ جس سے ان کے خضوع و خشوع اور دینداری کا پتہ چلتا ہے ۔ میاں صاحب کی تعقیبات کی کتاب اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں سرفراز خان مذہباً اہل تشیع تھے " میر علی شیر قانع ان کی مدح میں رطبُ اللساں ہیں ۔

ہمیشہ تاکہ بود فرض حبِ آل علی
جہاں بکام تو و آل تو بود آباد

میر عظیم الدین ٹھٹھوی فتحنامہ میں فرماتے ہیں

محمد سرفراز خان نامور
چو بگرفت بر تخت دولت قرار
دل از مهر حیدر چو بیدار داشت
به آل نبی لطف بسیار داشت

کلہوڑوں کے دربار میں ٹالپر امراء کا ابتداء ہی سے اثر و رسوخ تھا، میاں یار محمد کی نظر میں ٹالپر خاندان کے جس شخص نے سب سے پہلے بھرپور اعتماد حاصل کیا وہ میر شہداد خان تھا، جسے اسنے "برخوردار" کا خطاب دیا۔ ۱۱۴۷ھ میں میر شہداد خان کی وفات کے بعد ان کے چاروں بیٹوں میر جام نندو خان، میر چاکر خان، میر بہرام خان اور میر خیر محمد خان کا کلہوڑوں کے دربار میں خاص اثر و رسوخ رہا۔ میر بہرام خان نے نمایاں خدمات کی بدولت کلہوڑوں کے دربار میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ میر بہرام خان، میاں غلام شاہ کا معتمد اور مشیر تھا۔ اس لئے میاں سرفراز نے بھی انہیں اسی عہدے پر فائز رکھا۔

میاں غلام شاہ جب سندھ کے حاکم ہوئے تب راجو لکھی کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا۔ میاں غلام شاہ کے انتقال کے بعد میاں سرفراز خان نے بھی راجو لکھی کو اسی عہدے پر قائم رکھا، میر بہرام خان اور راجو لکھی، کلہوڑوں کی حکومت کے اس وقت دو بڑے رکن تھے، چونکہ میر بہرام خان پر حاکم وقت زیادہ ہی اعتماد کرتے تھے اسلئے راجو لکھی نے میر بہرام کے قتل کی سازش میاں غلام شاہ کے عہد سے ہی شروع کردی تھی مگر میاں غلام شاہ خان راجو کے فریب میں نہیں آ سکے۔ لیکن میاں سرفراز خان نے صاحب عقل و دانش ہوتے ہوئے بھی راجو لکھی کے ورغلانے پر میر بہرام خان جیسے دانا و وفادار کو قتل کرادیا۔ یہی سانحہ نہ فقط میاں سرفراز خان کی معزولی اور اسیری کا سبب بنا بلکہ آگے چل کر کلہوڑوں کے زوال کا سبب بھی بنا۔ میر بہرام خان کے قتل کے بعد میاں سرفراز خان خدا آباد سے بذریعہ کشتی حیدرآباد پہنچا اور حیدرآباد کے قلعہ میں مقیم ہوا۔ لیکن قسمت نے یاوری نہیں کی اور بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر انہیں قلعہ میں قید کردیا گیا۔ جہاں

۱۱۹۰ھ میں اپنے چچا عبدالنبی کے حکم سے قتل کردیئے گئے۔

میاں سرفراز خان کی بہت سی منظوم دعائیں بلسلسۂ رہائی ملتی ہیں۔ جن میں سے ایک اس طرح ہے کہ:

الا ای آفتاب اوج عزت
فروزان اختر برج رسالت
شه مسند نشین قاب قوسین
زجودت عالی را زینت و زین
فروزاں گوہر دریائی سرمد
قبول ہاشمی نامت محمد
کرم گر میکنی بر حال، زاری
به عزت برسانش از خواری
منم در هر دو عالم شد گرفتار
منم در دشت جرمان ماندہ بی یار
سرفرازم کن اے سردار عالم
رهائی دہ مرا از ظلم ظالم

سرکار حجت اللہ علی الخلق حضرت صاحب الزمان امام مہدی علیہ السلام سے طالب امداد ہیں۔

ای بقعه نشین لامکان ادرکنی
ای نور زمین و آسمان ادرکنی
افتادہ به چار موجه حادثه ام
یا حضرت صاحب الزمان ادرکنی

اسی طرح سے ایک دوسری رباعی میں امامؑ زمانہ سے ملتجی ہیں۔

ای صاحب من امام مهدی هادی

تا کی کشم این جور ستم بیدادی
از دست جفائی ظلم ظالم شاھا
اینک بدرت آمدہ امر فریادی

حضرت حجت علیھم السلام سے حاجت روائی کی دعا مانگتے ہوئے اپنا اظہار عقیدت اس طرح کرتے ہیں۔

ای منتظر امر الاھی دریاب
ای لنگر کشتی پناہی دریاب
در حضرت تو حاجت اظہارم نیست
ای واقف اسرار کماہی دریاب

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا مرثیۂ شہادت بزبان، سرفراز خان عباسی:

بسوز ایدل کہ ہنگام غم آمد
برای جان کہ وقت ماتم آمد
برآمد غنچہ غم از سر شاخ
روان شد جوی خون ازدیدہ گستاخ
فغان بلبل ماتم بلند است
در و دیوار از غم مستمند است
جھان گر دید از غم حسرت آباد
نھال انسباط از پا در افتاد
ازین اندوہ غم مہر درخشان
نمود و کرد رخ بی او پریشان
کہ وقت ماتم سبط رسول است
عزائی قرۃالعین بتول است
عزائی سرور اولاد حیدر

قتیل خنجر اعدای ابتر
چون افتاد آن شهی سرو سرفراز
ز صدر زین بخاک فتنه پرداز
صدا از گنبد افلاک برخواست
چو آب آتش ز روئ خاک برخواست

تمام کلہوڑا حکمران عموماً کانوں کے کچے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ میاں سرفراز خان جیسا زیرک و دانا ، راجو لکھی کے فریب میں آکر میر بہرام خان کو قتل کرواکر اپنی حکومت کو زوال پذیر کردیتا ہے ۔ اس کے بعد میر بجار کی شہادت اور میر عبداللہ اور میر فتح خان کی شہادت کلہوڑہ حکمرانوں کی ناراضگی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اسی وجہ سے کلہوڑا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تخت نشینی کے لئے ترساگئے۔

میاں غلام شاہ کلہوڑہ کی قبر کے برابر میاں سرفراز خان عباسی کے بیٹے کی ایک چھوٹی سی قبر مغرب کی طرف آج بھی حیدرآباد سندھ میں موجود ہے ۔ اس قبر کے سرہانے کتبہ لگا ہوا ہے ۔ جس پر تحریر ہے ۔ "لا اله الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ علی ولی اللّٰہ" ان مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ کلہوڑا حکمران اثناء عشری تھے اور فقہ جعفری کے پابند تھے ۔ انہوں نے جس شہر کو آباد کیا اس کا نام " حیدرآباد " رکھا ۔ صدر دروازہ پر نصب شدہ پتھر پر چہاردہ معصومینؑ کے اسمائے گرامی کندہ کراکے سعادت دارین حاصل کی۔ کلہوڑا حکمرانوں کے مزارات پر علم حضرت عباس علیہ السلام آج بھی لہرارہا ہے ۔ اور مزارات کے متولی شیعہ عقائد رکھنے والے ہیں ۔ جب بانیانِ اسلام و محافظان دین کی مودت حد کمال کو پہنچتی ہے تو مودت رکھنے والے یوں ہی علم کے سایہ میں رہتے ہیں ۔

سندھ پر ٹالپر خاندان کی حکومت

میاں سرفراز خان کلہوڑا کے بعد ٹالپر حکمران ہوئے کلہوڑوں نے اپنے سماٹ وزراء کے ورغلانے پر ٹالپر سرداروں کو یکے بعد دیگرے قتل کروانا شروع کر دیا جس کی وجہ

سے ۱۱۹۷ ھ میں میر فتح علی خان ٹالپر نے ہالانی جنگ میں کلہوڑوں کو شکست دے کر سندھ فتح کیا ۔ سندھ پر چھ ٹالپر امراء نے ۱۲۵۹ ھ تک حکومت کی ۔ ان کی دو چویاری تھیں پہلی چویاری ترقئ ٹالپر عہدِ حکومت کی ہے اور دوسری چویاری میں ان کی تنزلی شروع ہوئی ۔ چویاری کا مطلب بہ یک وقت چار حکمراں فرماں روا تھے ۔ آخری ٹالپر فرمانروا میر نصیر خاں ٹالپر بیان کرتے ہیں کہ :

" ہم ٹالپر ایرانی بلوچوں میں سے نہیں ہیں بلکہ عرب ہیں ہمارا نسب امیر حمزہ بن عبدالمطلب سے شروع ہوتا ہے ۔ بعض حمزہ کو حضرت علی علیہ السلام کا بیٹا سمجھتے ہیں ۔ ہم حجاج بن یوسف کے زمانے میں کچھ مکران میں وارد ہوئے تھے ۔۔۔ الخ ۔ "

مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں کہ یہ کرمان اور مکران (موجودہ سرحد ایران و بلوچستان) سے بلوچستان میں آئے اور یہاں رہنے لگے جس کے بعد اس ملک کا نام بلوچستان پڑا ۔ اس وقت بھی بلوچ سب سے زیادہ بلوچستان ہی میں آباد ہیں ۔ بعد اذاں یہ پھیلنے شروع ہوئے اور بعض سندھ میں اور بعض دوسرے مقام پر آباد ہوئے ۔ اور زراعت ، سپاہ گری اور دوسرے پیشوں سے وابستہ ہوگئے ۔

ٹالپر خانوادہ کا مورث اعلیٰ لکہ یا ککو خان عرف سلیمان خان تھا ۔ ککو خان کے آٹھ بیٹے تھے موضوع کی مناسبت سے یہاں ان کے صرف دو بیٹوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی اولاد میں سے حیدرآباد ، خیرپور میرس اور میر پور خاص کے میر ہیں ان میں سے بڑے بیٹے کا نام ہوتک خان اور تیسرے بیٹے کا نام مانک خان تھا ۔

امیران حیدرآباد

ہوتک خان کی اولاد میں سے حیدرآباد اور خیرپور کے ٹالپر ہیں۔ ہوتک خان کا ایک بیٹا میر شہداد خان تھا۔ سندھ کا مشہور شہر شہدادپور اسی کا آباد کیا ہوا ہے میر شہداد خان نے ۱۱۴۷ ھ میں وفات پائی۔ انہیں شاہ پور چاکر کے قریب ایک شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ میر چاکر خان اور میر بہرام خان ، میر صوبیدار خان ٹالپر کے فرزند ہیں۔ امیران حیدرآباد میر بہرام خان کی اولاد میں سے ہیں ۔ میر بہرام خان کو ۱۱۸۹ ھ میں میاں سرفراز خان نے قتل کروادیا ۔ ان کا بڑا بیٹا میر صوبدار خان تھا جو کہ اپنے والد کے ساتھ قتل ہوگیا ۔

میر صوبدار خان ٹالپر کے چار بیٹے میر فتح علی خان ٹالپر، میر کرم علی خاں ٹالپر، میر غلام علی خان ٹالپر اور میر مراد علی خان ٹالپر ہوئے۔ میر فتح علی خاں کو "فاتح سندھ" ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

خیرپور کے میر

میر چاکر خان کے بیٹوں میں میر سہراب خان ٹالپر ان کا نامور بیٹا تھا جو میر فتح علی خاں ٹالپر کے چچا کا بیٹا تھا۔ امیران خیرپور ان ہی کی اولاد ہیں۔

امیران میرپور خاص

میر پور خاص کے ٹالپر مانکانی میر کہلاتے ہیں۔ مانک خان کے بڑے بیٹے کا نام میر اللہ یار خان تھا۔ میر اللہ یار خان کے پڑپوتے میر ٹھارو خان نے فتح سندھ میں شرکت کی تھی اور میرپور کے میر اسی کے اولاد ہیں۔ کلہوڑوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد سندھ کی حکومت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی اور تین ٹالپر خاندان تین حصوں پر حکمران تھے اسی لیے تمہیداً ان خاندانوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

میر فتح علی خان ٹالپر

کلہوڑوں کے بعد میر فتح علی خان ٹالپر نے سندھ پر تسلط حاصل کیا لہذا ٹالپر خاندان میں یہ سندھ کا پہلا فرمانروا ہوا۔ اسی نے سندھ کو تین خاندانوں میں تقسیم کیا جو میر شہداد خان ٹالپر کی نسل میں سے تھے۔ شہدادانیوں کی تخت گاہ حیدرآباد، سہرا بانیوں کی تخت گاہ خیرپور اور مالکانیوں کی تخت گاہ میرپور مقرر ہوئی۔ میر فتح علی خان ٹالپر نے کابل کو لگان دینا منظور کیا اور کراچی پر قبضہ کرلیا۔ اس کے علاوہ انگریز تاجروں نے ۱۱۷۵ھ میں جو کوٹھی بند کردی تھی وہ انہوں نے ۱۷۹۹ء میں پھر کھدلدی اور بعد میں کابل کے دباؤ کی وجہ سے ۱۸۰۰ء میں میر فتح علی خان نے اسے پھر بند کروادی۔

ٹالپر حکمران شیعہ اثناء عشری تھے۔ میر فتح علی خان کے دوَر حکومت میں مذہب اثناعشری کو فروغ ہوا۔ ان کے دربار میں بہت سے شیعہ علماء و شعراء تھے جنہیں دربار میں خاص مقام حاصل تھا۔ سید ثابت علی شاہ، میر عظیم الدین ٹھٹھوی، مرزا مراد علی بیگ

قابل ذکر شعرا ہیں ۔ جنگی و ملکی معاملات میں شیعہ اکابرین کا کردار نمایاں تھا ۔ میر فتح علی خان کے دور میں شیعہ حضرات کی تعداد میں اضافہ ہوا جن میں علماء و شعرا کثیر تعداد میں تھے ۔ میر فتح علی خان کے ایام میں شیعیت اور عزاداری کو بیحد فروغ ملا ۔ ان کے عہد میں مجالس عزا برپا کی جاتی تھیں اور جلوس بھی نکالے جاتے تھے ۔ ان مجالس میں خود میر فتح علی خاں بمع برادران شرکت کرتے تھے ۔ میر فتح علی خان ٹالپر کو معلوم تھا کہ تیمور بادشاہ نے ہندوستان میں حضرت امام حسینؑ کے روضے کی شبیہہ بنوائی جو تغریہ کے نام سے موسوم ہوئی ۔ اسی طریقے پر میر فتح علی خان ٹالپر نے اپنے سپہ سالار اور شاعر میاں فقیر محمد جونیجو کو حکم دیکر سندھ میں تعزیہ بنوایا وہ لمبائی میں ۱۶ فٹ اور چوڑائی میں اندازاً آٹھ فٹ کا ہے ۔ یہی تعزیہ " فقیرجو پڑ " حیدرآباد میں اسی جگہ رکھا جاتاتھا جہاں اب سرہندی مسجد ہے۔ شب عاشور میاں فقیر محمد تعزیہ کے سامنے اعمالِ شبِ عاشور .بجالاتے تھے اور بعد نماز صبح سید ثابت علی شاہ اپنا مرثیہ سندھی زبان میں(مصرع کا منظوم ترجمہ) " ہئے ہئے رنمیں بیبی بانو سر پہ خاک اڑاتی ہے " مرزا مراد علی بیگ کے ساتھ پڑھتے تھے ۔ اس مجلس عزا میں میر فتح علی خان ٹالپر بمع برادران و وزراء ننگے پاؤں پیدل حیدرآباد قلعہ سے آکر شریک ہوتے تھے ۔ قریب عصر اختتامی مجلس عزا کے بعد فاقہ کشائی کروائی جاتی تھی بعد نماز مغربین حیدرآباد قلعہ کی امام بارگاہ میں مجلس عزا منعقد ہوتی تھی ۔ اس مجلس عزا میں مرزا مراد علی بیگ کا مرثیہ سندھی زبان میں (مصرع کا منظوم ترجمہ) " ہائے بانو کا لال مرتا ہے " سید ثابت علی پڑھتے تھے جبکہ مرزا صاحب مصائبِ شامِ غریباں بیان کرتے تھے ۔ سندھی میں مجلسِ شامِ غریباں کی ابتداء میر فتح علی خاں ٹالپر نے مرزا مراد علی بیگ کے مشورہ سے کی ۔

سندھ کا یہ پہلا تعزیہ مرزا مراد علی بیگ کے خانوادہ کے پاس امام بارگاہ علی آباد ٹنڈو آغا حیدرآباد میں آج بھی .بحمداللہ زیارت کے لیے موجود ہے اور ہزاروں زائرین شرفِ زیارت سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں ۔

میر فتح علی خان کے عہد میں ہی عیدِ غدیر ، عید مباہلہ اور ولادتِ آئمہ

معصومین کی خوشی میں محافل کا انعقاد ہوتا تھا اور سندھی زبان میں منقبت و قصیدہ خوانی کا دوَر شروع ہوا۔ سندھی زبان میں منقبت اور قصیدہ کے بنیادی شاعر مرزا مراد علی بیگ اور سید ثابت علی شاہ ہیں ۔ جنہوں نے سندھی زبان میں منقبت و قصائد لکھے جو آج بھی ولادتِ آئمہ پر منعقدہ خوشیوں کی محافل میں پڑھے جاتے ہیں ۔ مذکورہ دونوں شعراء میر فتح علی خان کے دور میں نہ میرزا مراد علی بیگ سندھی زبان میں منقبت و قصائد کے بنیادی شاعر تھے بلکہ سندھی زبان میں مرثیہ گوئی کے بانی اور مرثیہ خوانی کے موجد میرزا مراد علی بیگ تھے مذکورہ دونوں شعراء ہم عصر اور ہم سن گزرے ہیں ۔

میر فتح علی خان ایک مدبر حاکم ، بہترین جرنیل ہی نہیں بلکہ سخی اور بذلہ سنج بادشاہ بھی تھے ۔ خود تو شاعر نہ تھے مگر سخن فہم تھے ۔ ایک مرتبہ ایک ایرانی شاعر فردوسی کے شاہنامہ سے میر صاحب کے سامنے درج ذیل اشعار پڑھ رہا تھا اور حاضرین کے اصرار پر بار بار شعر دہرا رہا تھا اور دادِ تحسین لے رہا تھا ۔

سپر بود برپشت شہ کامیاب
چون ابر سیہ مائل آفتاب

میر فتح علی خان کی نگاہیں سامعین پر تھیں جن میں سید ثابت علی شاہ بھی تھے ۔ شاہ صاحب کو محظوظ پاکر میر صاحب نے فرمایا شاہ صاحب شعر پسند آیا ؟ شاہ صاحب نے فرمایا قبلہ سبحان اللہ ، مگر بندہ کے ذہن میں محمد محسن ٹھٹوی کی تصنیف کردہ کتاب حملہ حسینی کا یہ شعر آرہا ہے کہ ۔

سپر بود بر پشت زوج بتول
چو مہر نبوت بہ دوش رسول

یہ شعر سنکر میر صاحب اور درباریوں نے دل کھول کر داد سخن دی اور ایرانی شاعر آپ کی شعر فہمی پر متحیّر رہ گیا ۔

میر فتح علی خان ٹالپر کو اہلبیتؑ سے بیحد عقیدت تھی اور یہ اسی عقیدت و مودت کا صلہ ہے کہ میر صاحب کی وفات عاشور ۱۲۱۷ ھ میں ہوئی ۔ سید ثابت علی شاہ نے قطع

تاریخ وفات اس طرح لکھا ہے کہ :

شب شهادت شاہ شهید رحلت کرد
امیر فتح علی خان خدیو صاحب عصر
بگفت ثابت زوار سال تاریخش
"مکین قصر بهشت" و "مکان بهشتی قصر"

۱۲۷۱ ھ (تاریخ وفات) ۱۲۱۸ ھ (تاریخ مرقد)

وفات سے کچھ دیر پہلے میر صاحب کو رب العزت نے دولتِ فرزند نوازا جس کا نام صوبدار خان رکھا گیا۔ میر صاحب ایک مدبّر، شجیع، ہوشمند اور عاقبت اندیش فرمانروا تھا ۔ سترہ برس کی عمر میں سندھ کو فتح کیا۔ میر صاحب کی یہ سجع مہر پر کندہ ہے۔

داد نصرت خدا به فتح علی
بمددگارئی نبی و علیؑ

میر فتح علی خاں ٹالپر کی دختر نیک اختر زوجہ میر نور محمد خان ٹالپر کا شمار بھی کنیزانِ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا میں ہوتا ہے اس زاہدہ شہزادی نے کئی کتابیں لکھوائیں اور خرید بھی کیں جس میں سے ان کا ایک قرآن مجید جس کی وہ خود تلاوت کرتی تھیں۔ نہایت ہی دیدہ زیب ہے جس کے اندرون صفحات پر چہاردہ معصومین علیہم السلام کے اسماء گرامی تحریر ہیں اور بیرونِ جلد ایرانی نقاشی کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔ قرآن مجید کا متن ختم ہونے کے بعد یہ عبارت تحریر ہے۔

حسبُ الفرمان جناب فیض مآب، معصومه محترم مقدسه چراغ اہل عصمت، شمع شبستان عفت، عاملِه کاملِه فاضله نثر و نظم سرخیل خاتونانِ دهر عمدهٔ مخدرات عصر، موصوفه بصفات بلاغت و فصاحت، بلقیس ثانیه کنیزک حضرت سیدة النساء العالمین، عمدهٔ دودمان کرام، زبدهٔ خاندان عظام حضرت صاحبان دیرهٔ کلان، سرکار عالیمدار ضیائها وطال بقائها مع، اولاد باد قربائها

الی یوم التناد ، قرآن مجید فرقان حمید تسطیر و زینت ترقیم یافت ۱۲۵۳ ھ " کاتب سید علی ابن سید حسن شیرازی " نے یہ تاریخ وفات کہی :

اس شہزادی کی وفات ۱۲۸۷ ھ میں ہوئی ان کے فرزند میر حسین علی خان نے یہ تاریخ وفات کہی :

یک عدد از مصرع تاریخ برگیرو بگو
"باد یارب دست او در دامن زہراؑ مدام"

۱۲۸۷ھ

اس مؤمنہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ہر وقت عبادتِ الٰہی و ذکر اہلبیتؑ میں مصروف رہتی تھیں اور ایام محرم میں اپنے خاندان کی مستورات کے ساتھ مجالس برپا کرتی تھیں ، جس میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی خود کرتی تھیں ۔

میر غلام علی خان ٹالپر

میر فتح علی خان ٹالپر کے انتقال کے بعد " پہلی چویاری " حکومت کا فرمانروا اور میر فتح علی خان کا دوسرا بھائی میر غلام علی خان ٹالپر ۱۶ محرم ۱۲۰۷ ھ کو تخت نشیں ہوا ۔ ان کی دستار بندی کے وقت میر سہراب خان موجود تھا ۔ میر غلام علی خان ایک نیک دل اور زیرک فرمانروا تھا اس نے کابل کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لگان دینا بند کردیا ۔ اور بہاولپور سے سبزل کوٹ اور بھنگ بھارہ صوبے فتح کئے ۔

میر صاحب نے دور [illegible] سندھ میں خوشحالی اور امن و امان تھا انہوں نے اپنی حکومت کے نظم و نسق میں اخلاقی قدروں اور مذہبی اصولوں کی پابندیوں کی طرف خاص توجہ دی ۔ میر صاحب ایک بہادر اور ہنس مکھ انسان تھے شاعر نہ تھے لیکن علماء و شعراء کے قدر داں تھے ان کی سجع یہ تھی ۔

ناصر من بود نبی و ولی
منم از جان و دل غلام علی

ٹالپر حکمرانوں نے کلہوڑوں سے سندھ کی حکومت لینے کے بعد اپنے ہم عصر ایران کے قاچاریہ سلاطین سے گہرے روابط قائم کئے ۔ اس طرح وکلاء کی آمدورفت اور تحائف وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا ۔ میر غلام علی خان ٹالپر کی حکومت میں شہنشاہ ایران فتح علی شاہ قاچار کی طرف سے سید اسماعیل بحیثیت وکیل سندھ میں آئے ثابت علی شاہ نے ایک قصیدہ میں ایرانی وکیل کو حاکمِ سندھ میر غلام علی خان سے اس طرح متعارف کروایا ۔

بیا مرحبا خیر مقدم بیا
خضر مقدما عیسوی دم بیا
بیا نامور از علی ولی
ز فتح علی شاہ فتح علی
شہ سندھ کشور غلام علی ست
ز اسم مسمی بہ نام علی است
من و مسجد و منبر و مومنان
علیاً ولی اللّٰہ ہر جا اذان
شہ سندھ با شاہ ایران مدام
بوفق و وفاؤ جہان بانظام

میر غلام علی خان نے میر فتح علی خان کی طرح مذہب حقہ اثناء عشریہ کو فروغ دیا آپ کے دربار میں بھی بہت سے محبانِ اہلبیتؑ موجود تھے ۔ اور ہمیشہ دربار میں اللہ جل جلالہ اور محمد و آل محمد کا ذکرِ خیر ہوتا رہتا تھا ۔ میر صاحب سادات کا نہایت احترام کرتے تھے ۔ اور دوستانِ محمد و آلِ محمد سے دوستی اور دشمنانِ آلِ محمد سے دشمنی ان کا مذہب تھا۔ میر غلام علی خان نظامِ شیعت کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہے ۔ مکلی پر مشہور " جلوہ گاہ امامین " کی میر غلام علی نے ازسر نو مرمت کروائی میر صاحب کا جمادی الثانی ۱۲۲۷ ھ کو انتقال ہوا ۔ ان کے جنازہ کو خدا آباد نو میں دفن کیا گیا ۔

میر کرم علی خان ٹالپر

میر غلام خان ٹالپر کی وفات کے بعد ان کے بھائی میر کرم علی خان بمقلب "سرکارِ عظمت مدار" سندھ کے حکمران ہوئے ان کی سجع یہ تھی۔

بحق حضرت نبی کریم
کرد بامن کرم علی العظیم

میر کرم علی خان نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد قرآنِ کریم حفظ کیا جس کی سید عظیم الدین ٹھٹھوی نے اس طرح قطع تاریخ لکھی ہے۔

حمد للّٰہ رب عالمیان
که بود رب ناس و رب فلق
قل ہو اللّٰہ از سر اخلاص
لم یلد اوست واحد مطلق
به کتاب مجید احمد را
برہمه انبیا بدار سبق
چه کتاب مجید کز نورش
مه و خورشید هست چون دو ورق
او بگفته علی مع القرآن
نیز قرآن مع العلی اوفق
باب شهر علوم مُصطَفوِی
که سلیمان بخواند زو منطق
بتمنائ میر فتح علی
آن سرافراز از جناب حق
آن غلام علی ولی اللّٰہ
آنکه دین یافتهه ازو رونق

" میر حافظ کرم علی " کردہ
حفظ قرآن بطالع افوق
شدہ این شاد یا نہ درملکوت
حمد خواندند اہل ہفت طبق
عقل کل سال این نوید عظیم
گفت " حفظ کلام واحد حق "
بہ مریدان دھد مراد علی
بحق الف لام میم اصدق

۱۲۰۶ھ

میر کرم علی خان کی تعلیم کیلئے میر فتح علی خان نے ایک ایرانی اتالیق (مجتہد) مقرر کئے جن کے شرف تلمذ میں اور اپنے علمی ذوق و شوق کے باعث عالم اور حافظ قرآن مجید ہوئے۔ ان کے استاد محترم آقائی مولانا و مقتدانا سید زین العابدین ماژ ندرانی تھے۔

میر کرم علی خان شاعر بھی تھے ان کا تخلص کرم تھا۔ ان کے دیوان کرم کے دیباچہ کے آخر میں ایک قصیدہ جس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خواب ان کی وجہ شاعری بنا۔ خواب میں انہیں ہاتفی حکم ہوتا ہے کہ اٹھ کر حضرت علی علیہ السلام کی مدح کر۔

یک شب اندر خواب بودم سربہ بالین قرار
دیدہ دل محو حیرت در خیال روئ یار
ناگھان آمد ندائ ہاتفی در گوش من
گفت کہ ای مداح شاہ دین امیر نامدار
زور برخیزد بگو مدح شہنشاہ دو کون
آن شہنشاھی کہ باشد در دو عالم شہر یار
شاہ دین شیر خدا ابن عم خیر الوریٰ
آن وصئ مصطفی و نائب پروردگار

اس کے علاوہ اس دیوان میں جہاں حضرات چہاردہ ، معصومین علیہم السلام کی مدح میں بہت سے قصائد ملتے ہیں وہیں آپ نے بڑے بھائی میر فتح علی خان کی درازیِ عمر کے لئے اس طرح دعا مانگی ہے کہ :

میر ما فتح علی خان دوستدار اہلبیتؑ
دولت و اقبال عمرش باد دائم پائدار
ای کرم دارم امید از درگه آلؑ عباؑ
برسرت باشد ہمیشه سایئه ہست و چھار

میر کرم علی خان اپنی ایک غزل میں جناب امیر المومنین سے محشر میں سرخروئی کی دعا اس طرح مانگتے ہیں ۔

بھر حق یا علیؑ ولی اللہ
سرخرو روز محشرم فرما
در دو عالم بنام اثنا عشر
یا علی بر " کرم " کرم فرما

میر صاحب غلامِ حضرت علیؑ ہونے پر بصد شکر یوں سخن طراز ہیں کہ :

اے کرم تجھ پر کرم ہے شاہ کا
تو غلام حیدر کرار ہے

الغرض میر کرم علی خان کی اہلبیتؑ سے محبت کا یہ حال تھا کہ اکثر اوقات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے ۔ انہوں نے بہت سے قصائد و مناقب چہاردہ معصومین کی شان میں کہے ہیں میر کرم علی خان نے ۱۲۰۸ ھ میں سید ثابت علی شاہ کو زیارت عتبات عالیہ کے لیے زاد سفر دیکر بھیجا جس کا تذکرہ سید ثابت علی شاہ نے اپنی منظوم سندھی آپ بیتی "زیارت نامہ" میں کیا ہے ۔

سید ثابت علی شاہ میر صاحب کی طرف سے شہنشاہ ایران کے لیے درج ذیل تحائف لے کر ایران گئے ۔ گھوڑے ، قلمی قرآن مجید ، بیش بہا جواہر ، مرصع تیغین مع شکیلا

(تلوار کی میان میں چھوٹا خنجر) ایران لے کر گئے مذکورہ تذکرہ ان کے ایک فارسی قصیدہ میں اس طرح ملتا ہے کہ:

مصحف خاصه به تفسیر آئمه اطهر
به تبرک طلب از قبلئه ایقان رفتم
تاج باجیغئه پرگوہر و تیغ و خنجر
اسپ و زین لعل در و خواہ ز سلطان رفتم

شاہ صاحب ایران پہنچتے ہی پہلے آستانۂ قدس (مشہد مقدس) کی زیارت سے مشرف بہ ایمان ہوئے۔ اسکے بعد وہ فتح علی شاہ قاچار کی دربار میں حاضرہوئے اور ٹالپر امراء کی طرف سے سوغاتیں پیش کرتے ہوئے بادشاہ ایران کی اس طرح مدح سرائی کی کہ:

فلک به دعوت دین خواند خطبئه ایمان
به فتح، فتحِ علی شاہ ہر جمیع جهان

شاہ صاحب نے سندھ واپس آنے سے پہلے بادشاہ کی شان میں مندرجہ ذیل قصیدہ پڑھا۔

فرمان قضا جریان منشور قدر ارکان
کالوحی من الرحمان والنص من الفرقان

فتح علی شاہ قاچار نے قصیدہ سنکر سید ثابت علی شاہ کو انعام و اکرام سے نوازا اور میر کرم علی خان کو فتح علی شاہ قاچار نے قدیم مراسم کی بناء پر مندرجہ ذیل تحائف بھیجے۔

۱۔ وہ پتھر جس پر حضرت علی علیہ السلام نے نماز ادا کی اور سجدہ میں استعمال ہونے والے اعضاء کے نشانات پتھر پر نقش ہوگئے۔ یہ پتھر آج بھی درگاہ "قدم گاہ مولیٰ علی" کے نام سے حیدرآباد میں پکا قلعہ اور ریلوے اسٹیشن کے قریب قدم گاہ روڈ پر مرجع خاص و عام ہے۔

۲۔ قرآن مجید تحریر حضرت امام رضا علیہ السلام (نصف حصہ) بقیہ نصف حصہ اس وقت آستانہ قدس رضویہ میوزیم میں موجود ہے۔

۳۔ چینی کے منقش چار عدد بڑے پیالے

۴۔ کاشان کے ریشمی دوشالے

۵ ۔ مظلا قرآن مجید اوردیگر مذہبی کتابیں ۔

۶۔ مرصع ہتھیار

۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۴ ھ میں میر کرم علی خان نے وفات پائی ان کی تاریخ وفات " باغ ارم " اور "بادا بہشتش بارگاہ " سے نکلتی ہے ۔ حیدرآباد میں " میرن جا قبا " میں آپ کا مقبرہ ہے ۔

میر مراد علی خان ٹالپر

میر کرم علی خان ٹالپر لاولد تھے اس لیے ۱۲۴۴ ھ میں ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی میر مراد علی خان ٹالپر مسند نشین ہوئے ۔انہوں نے خود کو پہلے "سرکار بلند اقتدار" کے لقب سے اور پھر " سرکار جہاں مدار " کے لقب سے مُلقب کیا ۔ان کی سجع یہ ہے ۔

۱۔ بحق حضرت نبی و ولی
یافت از حق بہمہ مراد علی

۲۔ بندہ مصطفیٰ مراد علی

میر مراد علی خان کی انگوٹھی پر مندرجہ ذیل شعر کندہ تھا ۔

از تقاضائے حکمت ازلی
گشت میر جہاں مراد علی

جس طرح سے میر فتح علی خان ٹالپر نے اپنے چھوٹے بھائی میر کرم علی خان کی تعلیم کے لیے ایرانی مجتہد کو اتالیق مقرر کیا تھا اسی طرح میر غلام علی خان کے دوَر میں میر مراد علی خان کے لیے بھی وہی اتالیق آقائی سید زین العابدین ماژندرنی مقرر ہوئے جن کی نگرانی میں اپنے بھائی کی طرح قرآن مجید کے حافظ ہوئے ۔ سید عظم الدین ٹھٹھوی نے میر مراد علی خان کے حافظِ قرآن ہونے پر مندرجہ ذیل قطع تاریخ لکھا ۔

بسم اللہ الرحمنٰ الرحیم
آنکہ فرستاء کتاب مجید

بهر سرافرازئ امی نبی
انکه خدا بهر علوم آفرید
انکه پئی تقویت دین او
آیت فتح علی از حق رسید
هادی دین عترت و قرآن گذاشت
چون نبی از دار فنا پاکشید
آنکه غلام علی و آل شد
از کرم شاه شده مستفید
شد بصفا پیرو قرآن و آل
هر که رفیقش شده بخت سعید
میر مراد علی آن نیک بخت
آنکه شد از صدق علیؑ را مرید
کرد چو قرآن زسر صدق ختم
از چمن عمرگل کام چید
میر چو تخم عمل نیک کاشت
میوه خوش یافت زنخل امید
حمد خداوند زمین و زمان
گوش ملایک ز خلائق شنید
شد ز زمین تابه سپهر برین
درهمه جا عام سرور و نوید
هاتفم این سال نوید عظیم
گفت "زهی ختم کلام مجید"

۱۲۱۱ھ

میر مراد علی خان شاعر تھے ان کا تخلص علیؔ تھا۔ اپنے بھائی میر کرم علی خان ٹالپر کی غزلوں کا تتبع کرتے ہوئے دعا مانگتے ہیں۔

یا نبی بھر حضرت حسنین
رحم در روز محشرم فرما
یا الاھی بحق شاہ نجف
بر علی لطف کن کرم فرما

میر مراد علی خان محب اہلبیتؑ و شیعہ اثناء عشری حاکم سندھ تھے ان کے کلام میں جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی مدح میں بہت سے قصائد ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں اقتباسات:۔

بردر آسمان شاہ نجف
علی ساز جبہ سائی را

—

علی را از مہر محبت بست با حیدر
تو کار بستئہ او خیبر کشابکشا

—

خاکپائی نبی بہ چشم علیؑ
سرمہ ہر دوچشم بیناشد

—

علی ہست از غلامان شہ دین
چہ پروا باشم از دشمن ہزاران
ای علی حفظ حیدرتؑ یاور
دشمنت خوار و سربہ دیوارش

میر صاحب کی تالیفات میں اب تک ان کی حسب ذیل تصانیف و تالیفات کا پتا چل سکا ہے۔

۱۔ دیوان فارسی

۲۔ محک خسروی (۱۲۳۷ ھ)

۳۔ طب مراد (۱۲۴۶ ھ)

میر مراد علی خان ٹالپر کی شخصیت بحیثیت مجموعی بیحد دلکش تھی وہ نہ صرف خود بھی سخن سنج ، سخن شناس اور صاحب علم و فضل تھے۔ بلکہ علماء دانشوروں اور ادیبوں کی نہایت قدر افزائی کرتے تھے ۔ جس کی وجہ سے ان کے حلقۂ ارباب میں بہت سے اثناء عشری محبِ اہلبیت تھے ۔ میر صاحب کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے خاص عقیدت تھی اور ایامِ عزا میں خود بھی عزاداری میں مصروف رہتے تھے ۔

میر صاحب نے ۱۲۱۰ ھ میں حیدرآباد میں ایک مسجد بنوائی اس کے علاوہ میر صاحب نے ۱۲۲۷ ھ میں میاں نور محمد کلھوڑو کی دختر بی بی شہر بانو کی تعمیر کردہ مسجد کی مرمت کروائی جو آج تک حیدرآباد میں جمن شاہ کے پڑ کے قریب موجود ہے ۔ اسی سال میر مراد علی خان ٹالپر نے ٹھٹھہ میں شاہجہاں بادشاہ کی بنوائی ہوئی مسجد کی نہایت فراخدلی سے مرمت کروائی یہ حقیقت ہے کہ میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان نے ۱۲۳۴ ھ میں قلعہ " علی آباد " تعمیر کروایا جو " رنی کوٹ " کے نام سے مشہور ہے ۔

میر علی مراد خان نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک پر ایک قرآن مجید کتابت کرواکر تحفۃً پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ۔

میر مراد علی خان صائب الرائے ، ہوشمند اور دانا انسان تھے ۔ انہوں نے اپنے حسن تدبر سے ملک میں کسی شورش و فساد کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا ۔ ملک کے نظم و نسق کو انہوں نے بخوبی چلایا کہ ہر شخص ان کے حسنِ انتظام کا قائل ہو گیا ۔ ان کی شخصیت اپنے محاسن و خوبیوں کی وجہ سے بڑی پہلو دار اور دلکش تھی ۔ انہوں نے اپنے ہی دور میں ٹالپر حکومت کا سکہ رائج کیا تھا ۔ ۶ جمادی الثانی ۱۲۴۹ ھ میں اچانک ان کا انتقال ہو گیا انہیں ہیرآباد حیدرآباد میں اپنے بھائی میر کرم علی خان کے قریب بمقام "میرن جا قبا" میں دفن کیا گیا ۔

میر نور محمد خان ٹالپر

میر مراد علی خان کے انتقال کے بعد ان کا بڑا بیٹا اور " دوسری چویاری " کا پہلا فرمانروا میر نور محمد خان اپنے والد کی جگہ تخت نشین ہوا ۔ انہوں نے اپنے بھائی میر محمد نصیر خان کو مراسم عزا پرسی اور تہنیت جلوس کامرانی کے لئے مقرر کیا ۔ میر محمد نصیر خان ، میر محمد خان بن میر غلام علی خان ٹالپر اور میر صوبدار خان بن میر فتح علی خان ٹالپر اپنے اپنے حصوں پر متصرّف و قابض تھے ۔ ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ القاب سے ملقب تھا ۔ مثلاً میر نورمحمد خان " سرکار عالی مدار " میر نصیر خان " سرکار فیض آثار " میر محمد خان " سرکار ذوالاقتدار " اور میر صوبدار خان" سرکار حشمت مدار " کے لقب سے ملقب تھے ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصے پر حاکم اور قابض تھا لیکن مجموعی حیثیت سے ملک کا حاکم میر نورمحمدخان تھا ۔

۱۸۳۷ء میں پہلی افغان جنگ کے وقت سکھوں اور انگریزوں نے امیر کابل دوست محمدخان کی جگہ معزول امیر شاہ شجاع کو کابل کے تخت پر بٹھانے کا ارادہ کیا ۔ لہذا بنگال اور بمبئی کے لشکروں کو سندھ کی راہ داری استعمال کرنے کے لئے زبردستی بکھر اور کراچی پر قبضہ کرلیا ۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے میر نورمحمد خان سے جو عہد نامہ کیا تھا۔ اس کی شرائط اتنی سخت تھیں کہ میروں کی حکومت جلد ختم ہوگئی ۔ اس جنگ میں انگریزوں نے کابل اور قلات پر قبضہ کر لیا ۔ اسطرح سندھ بلاواسطہ انگریزوں کے زیر، تسلط آگیا ۔

میر نورمحمد خان " ثریا جاہ بہادر " ہر دلعزیز اور نیک سیرت انسان تھے ۔ انہوں نے ۱۲۵۵ ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی ۔ ان کی وفات کے بعد انگریزوں کی سندھ پر رال ٹپکنے لگی ۔

المختصر میر نورمحمد خان ٹالپر اپنے آباؤ اجداد کی طرح محبِ اہلبیتؑ تھے ۔ مراسم عزاداری حضرت امام حسینؑ کا نہایت عقیدت سے اہتمام کرتے رہے۔ نیز مذہبی کُتب بینی کے بہت شائق تھے ۔

میر محمد نصیر خان ٹالپر (آخری تاجدار سندھ)

میر محمد نصیر خان اپنے بھائی میر نور محمد خان کے انتقال کے بعد سندھ میں شیعہ اسلامی حکومت کے آخری حکمران ثابت ہوئے ۔ میر صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۲۱۷ ھ کو حیدر آباد قلعے میں پیدا ہوئے تھے ۔ آپ میر مراد علی خان کے چھوٹے فرزند تھے میر مراد علی خان کے حکم سے میر نصیر خان کے لیے ایرانی مجتہد اتالیق مقرر ہوئے ۔ جن میں سے آقائی میر حسین شیرازی استاذی جیّد و مستند درجہ پر فائز تھے ۔ میر نصیر خان ایک تعلیم یافتہ مستقل مزاج اور فیاض حکمران تھے ۔ میر صاحب اپنے وقت کے عالم ، فاضل ، شاعر اور شاہانہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی بصیرت میں اپنی مثال آپ تھے ۔

میر صاحب کی بجھیں یہ تھیں جو سنگ یشب اور لاجورد پر کندہ ہیں

علیؑ و حسینؑ و حسنؑ دستگیر
خدا یار و یاور محمد نصیر
سمزد گرنهد بر ثریا سریر سریر
کسی را که باشد محمد نصیر

اور ان کی دو مہریں یہ ہیں جو مربعی اور مستطیل ہیں

(۱) بندہ آل علیؑ میر محمدنصیر ۱۲۳۵ ھ

(۲) امامم علیؑ و محمد نصیر ۱۲۵۷ ھ

میر نصیر خان کا دور حکومت خوشحالی اور فارغ البالی تھا ۔ ان کے دور میں علم و ادب تو عروج پر تھا ۔ مگر ملک کے سیاسی حالات ابتر تھے ۔ انگریز سندھ میں اپنا سیاسی جال پھیلا چکے تھے اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے میر نصیر خان کو مختلف حیلوں بہانوں سے تکالیف دیتے رہے تھے ۔ انگریزوں کا اصل مقصد سندھ کو حصول تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے دانستہ اس طرح کے حالات پیدا کیے جن سے ٹالپر از خود ذہنی پراگندگی کا شکار ہو جائیں۔ لہذا انگریزوں کی طرف سے پیش کردہ شرائط اتنی غیر متوازن و غیر فطری تھے کہ جس کے رد" عمل میں ۱۷ فروری ۱۸۴۳ ء کو میانی اور اس کے بعد دبہ کی جنگوں میں

میروں کے لشکر نے شکست کھائی اور انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کرکے میر نصیر خان اور ان کے اہل خانہ کو قید کرکے کیمپ میں ڈال دیا۔ بعدازاں سندھ سے جلاوطن کرکے پہلے بمبئی، پونا اور ساسور میں اور اس کے بعد کلکتہ میں قید کردیا جہاں میر نصیر خان صاحب ٹالپر نے ۱۲۶۱ھ میں وفات پائی انہیں بھی حیدرآباد میں میرن جاقبہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔

میر صاحب نے اسیری کلکتہ کے دوران فارسی میں منظوم بطرزِ مثنوی سفر نامہ لکھا۔ جس میں قید و بند کا مکمل احوال نظم کیا۔ بعدازاں اسی مثنوی کا منظوم سندھی ترجمہ میرزا گل حسن بیگ احسن کربلائی نے کیا ہے۔

میر نصیر خان ٹالپر اعلیٰ صفات و اعلیٰ کردار کے حامل، جاذب شخصیت کے مالک انسان تھے۔ جتنے حسین تھے اتنے ہی حساس طبع بھی تھے۔ وہ مذہب حقہ اثناء عشری کے پیروکار تھے۔ آپ نے شانِ اہلبیتؑ میں لاتعداد اشعار کہے۔ جعفریؔ تخلص کرتے تھے۔ محبتِ اہلبیتؑ کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

نصیب من ز ازل شد محبت حسنینؑ
زحب آل محمد دلم بہ خوش عملی است

—

باشد مطیع حکم تو این ملک سندھ و ہند
ای خسرو عراق و عجم یا علیؑ مدد

—

شاہ شہدائے کربلا آؤ تم
خامس آل مصطفیٰ آؤ تم
جرم و تقصیر سے بچاؤ تم
مجھے اس قید سے چھڑاؤ تم
یا مجھے سندھ کو پہنچاؤ تم
یا مجھے کربلا بلاؤ تم

القصہ مختصر میانی کی جنگ کے بعد میر نصیر خان کلکتہ گئے جہاں ایک علیحدہ دیوان ۱۸۴۵ء میں مرتب کیا جس میں فارسی اور اردو غزلیات ، مناقب ، مخمس ، مسدس اور قصائد وغیرہ شامل ہیں۔ نیز ایک اور سفر نامہ فارسی میں منظوم کیا۔ اس دیوان سے چند دعائیہ اشعار بطورِ اقتباس پیش خدمت ہیں ۔ حضرت علی علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

نقش دل است ورد زبانم علیؑ علیؑ
آرام جان و روح روانم علیؑ علیؑ
با دوستان بحق حسینؑ و حسنؑ دھد
از لطف خود نہ ، خلد مکانم علیؑ علیؑ

میر صاحب کے کلام میں حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے قصائد اور سندھی مرثیہ نگاری بالخصوص قابل تعریف ہیں ۔ حضرت امام حسین علیہم السلام کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ پیش خدمت ہے ۔

قبلئہ ھر دو جھان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
کعبئہ کون و مکان یعنی حسین ابن علیؑ
بعد شاہ اولیا مانند حسن المجتبی
رھنمائ مومنان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
جد او ختم الرسل ، پدرش علی مادر بتول
کامیاب و کامران یعنی حسینؑ ابن علیؑ
سورۃ یسین و طٰہٰ انما وھل اتیٰ
از خدایش عز و شان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
ھست بیشک رتبہ اش پیش خدائ ذوالمنن
برتر از وھم و گمان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
بھر عفو جرمھائ امت خیرالانام
بادشاہ مھربان یعنی حسینؑ ابن علیؑ

وارث ارث امامت ، مالک صدر نبی
هست الحق بیگمان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
بیوطن بی خانمان اندر زمین کربلا
قتل کردہ شامیان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
امت غدار از ظلم و ستم کردہ شہید
تشنه کام و ناتوان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
تعزیه دار است جبرئیل از پئی آن شاہ دین
باہم کرو بیان یعنی حسینؑ ابن علیؑ
غم نباشد جعفری چون ہست از فیض عمیم
دستگیر بیکساں یعنی حسینؑ ابن علیؑ

تصانیفِ میر نصیر خان :

(۱) دیوان فارسی (۱۲۳۳ ھ)
(۲) دیوان اردو (۱۲۶۱ ھ)
(۳) سفر نامہ جعفری (۱۲۶۰ ھ)
(۴) مثنوی مرزا و صاحبان
(۵) مثنوی مختار نامہ (۱۲۴۱ ھ)
(۶) مکاتیب جعفری ، یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی بیگمات کو لکھے تھے بعد میں اس مجموعہ کو میر حسن علی خان نے مرتب کیا تھا۔

دوران حکمرانی میر نصیر خان ٹالپر کے حکومت ایران و عراق سے بہت اچھے تعلقات تھے ۔ ۱۲۵۸ھ میں علامہ عظامی ایرانی کی معرفت میر نصیر خان نے دیگر تحائف کے ساتھ درج ذیل دو مقدس کتابیں شاہ ایران کو مشہد مقدس کے لیے روانہ کیں جو اس وقت بھی ایران کے رضویہ کتب خانہ میں محفوظ ہیں ۔ ۱۔ قرآن مجید مطلا کاتب ملا علی بروجردی ۲۔ تفسیر خلاصہ المنہج کاتب حسن بن جعفر یعقوب کشمیری ۔

میر نصیر خان ٹالپر کو کر بلائے معلیٰ کے بعض علماء نے لکھا کہ فرات نہر شہرِ کربلا چونکہ دور ہے اس لئے لوگوں کو پانی لانے میں تکلیف ہوتی ہے ۔ لہذا میر صاحب نے سید ابراہیم نجفی اور آقا محمد کربلائی کی معرفت پانچ لاکھ روپیہ روانہ کئے ، تاکہ نہر فرات سے ایک نہر نکال کر عوام الناس کی خدمت کی جائے یہ نہر آج بھی "نہر نصیر" کے نام سے موجود ہے ۔

اسی طرح حکومت عراق نے نجف اشرف سے میر صاحب کے لئے حسب ذیل اشیاء بطور تحفہ بھیجیں خط کوفی میں لکھا ہوا ایک قرآنِ پاک ، نہج البلاغہ ، صحیفہ سجادیہ اور خاکِ شفا کی ایک خاص تسبیح ۔ یہ تسبیح ۱۰ محرم کو بوقت عصر مانندِ خون سرخ ہوجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ تازہ خون تسبیح کے دانوں سے ٹپک رہا ہو۔ یہ تسبیح آج بھی آپ کے خانوادہ میں ان دنوں کی یادگار ہے ۔

میر نصیر خان ٹالپر جب تک زندہ رہے اپنے بزرگوں کی روایات کے بموجب مقاماتِ مقدسہ پر نذرانہ ہائے عقیدت پیش کرتے رہے ۔ میر نصیر خان کے عہدِ حکومت میں کار گزار علاقوں اکثر شیعہ تعینات ہوتے تھے ۔ اور ساداتِ کرام کو مختلف علاقوں میں آباد کرکے ان کے تحفظات کا خیال رکھا جاتا تھا ۔

حیدرآباد سندھ میں میر نصیر خان ٹالپر نے ایک امام بارگاہ تعمیر کرائی جسے آج ہوم اسٹیڈ ہال کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح " قدم گاہ مولیٰ علی " والا پتھر میر صاحب نے اپنے مشیر خاص مرزا فتح علی بیگ فتح (راقم کے جدّ اعلیٰ) کی استدعا پر موجودہ مقام پر تعمیر روضہ کے بعد نصب کروایا ۔ اس سے پہلے یہ پتھر قلعہ میں نصب تھا ، جہاں وقت کے حکمران ، امراء وزراء اور عمائدین شہر زیارت سے مشرف بہ ایمان ہوتے تھے ۔ موجودہ "روضہ قدم گاہ مولا علی" ۱۳ رجب المرجب کو پایہ تکمیل کو پہنچا اور اسی روز قبل از مغرب ایک محفلِ میلاد حضرت علی علیہ السلام بھی منعقد کی گئی ۔

جس طرح میر فتح علی خان ٹالپر سندھ میں تعزیہ داری کے بانی ہیں اسی طرح میر نصیر خان ٹالپر سندھ میں باقاعدہ علم لگانے کے موجد ہیں ۔ حالانکہ اس سے قبل حضرت علیؑ کے

دوَر میں عَلَم آیا تھا مگر اتنا عام نہیں تھا ۔ خصوصاً شہر حیدرآباد میں میر صاحب ہی کے ارشاد پر عَلَم لگائے گئے جو آج تک میر صاحب کی عقیدت مندی کی یادگار ہیں ۔

میر صوبدار خان ٹالپر

" سرکار حشمت مدار " میر صوبدار خان بن فاتح سندھ میر فتح علی خان ٹالپر ۹ محرم الحرام ۱۲۱۷ ھ کو پیدا ہوئے ۔ آپ ایک ماہر سخن سنج ، بلند پایہ شاعر اور صاحب تالیف و تصنیف تھے ۔آپ کا تخلص " میر" تھا ۔ میر نور محمد خان نے کاروبارِ حکومت میں میر صوبدار خان کو بھی شامل کیا تھا میر صوبدار خان نے اپنی تاریخ پیدائش اپنی ایک تصنیف " فتح نامہ سندھ" میں اس طرح لکھی ہے ۔

به تاریخ نهم ، ز رب الودود
مرا منزل آمد به ملک وجود

بوقتِ خاتمۂ ٹالپر حکومت آپ بھی اپنے اہل خاندان کے ہمراہ قید ہوکر کلکتہ گئے ۔ وہیں ۱۴ رجب ۱۲۶۲ ھ کو وفات پائی ۔ اور لاش کلکتہ سے خدا آباد لاکر ان کے والد کے پہلو میں دفن کی گئی ۔

میر صوبدار کو علم و ادب سے بیحد دلچسپی تھی ان کی تصانیف یہ ہیں ۔

۱ ۔ دیوان میر فارسی ۱۲۴۰ ھ
۲ ۔ مثنوی فتح نامہ سندھ ، فارسی ۱۲۴۴ ھ
۳ ۔ مثنوی سیف الملوک ، فارسی ۱۲۴۷ ھ
۴ ۔ مثنوی خسرو شیرین ، فارسی ۱۲۵۱ ھ
۵ ۔ مثنوی قصہ ماہ و مشتری فارسی ۱۲۵۲ ھ
۶ ۔ مثنوی جدائی نامہ فارسی ۱۲۶۰ ھ

میر صوبدار خان نے اپنی تمام تصنیفات کی کتابت کلکتہ کے ایک معروف کاتب جناب منشی صیانت اللہ سے کرائی ۔ میر صوابدار خان نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی شان میں بہت سے قصائد کہے ہیں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام کی

شان میں ان کا یہ قصیدہ حضرت علیؑ سے محبت کے اظہار کا ضامن ہے۔

خورشید آسمان علا مرتضیٰ علی ست
نور نبی و شیر خدا مرتضیٰ علی ست
خاک درش بچشم کشند اختران چرخ
آئینہ سپہر صفا مرتضیٰ علی ست
ہر مفلسی ز دست عطایش بود بہ فیض
در یتیم بحر سخا مرتضیٰ علیؑ ست
از سختئی زمانہ پریشاں بود دلم
یارو رفیق رنج مرا مرتضیٰ علی ست
مقبول مصطفیٰ و پسندیدہ خدا
باب حسینؑ وھم حسنا مرتضیٰ علیؑست
میر غریب را بحر آبی دل اوفتاد
ورد لبم بہ صبح و مسا مرتضیٰ علیؑ ست

میر حسن علی خان ٹالپر

"سرکار فیض آثار" میر نصیر خان ٹالپر کے فرزند "سرکار رفعت مدار" مزبانیں میر محمد حسن علی خان ٹالپر ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۴۰ ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۸۵۸ ء بروز بدھ حیدرآباد کے قلعہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی سجع یہ ہے

آسودہ برسریر امارت بخوش دلی
فخر الملوک ظل الاہی حسن علی

میر نصیر خان نے اپنے اس ذہین فرزند کی تعلیم کے لیے قاچاریہ دربار کے ایرانی عالم ، سید محمد مجتہد اور سندھی عالم آخوند احمد ہالائی ، مقرر کئے۔ میر صاحب بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے صرف چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔

میانی کی جنگ کے خاتمے پر ۱۸۴۳ء میں اپنے والد میر نصیر خان اور دوسرے اعزہ کے ساتھ آپ بھی قید ہوکر کلکتہ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ۱۸۶۱ء میں تقریباً چالیس برس کی عمر میں کلکتہ سے واپس اپنے وطن حیدرآباد سندھ میں آئے۔ کلکتہ میں بہ زمانہِ اسیری کلکتہ میر صاحب مطالع و عبادت الہیٰ میں ایام جوانی گزارتے رہے۔ کلکتہ میں سی جی فانڈز پادری کی کتاب "میزان الحق" کے جواب میں انہوں نے "لسان الحق المسمیٰ بہ ردنصاری" فارسی نثر میں لکھی، جو کہ آپ کی علمی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میر حسن علی خان عمدہ شاعر تھے ان کا تخلص حسنؔ تھا۔ ان کی شاعری کا موضوع فقط محمد و آل محمد کی مدح و ثناء تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے لکھے ہوئے مرثیہ سندھی ادب کا عظیم سرمایہ ہیں۔

میرزا فتح علی بیگ فتح، میر حسن علی خان کے والد میر نصیر خان کے مصاحبین میں سے تھے، انہی کے زیرِ سایہ میر صاحب نے اپنی شاعری کا آغاز تقریباً ۱۵ برس کی عمر میں کیا۔ مرزا فتح علی بیگ خود بھی مرثیہ گو شاعر تھے جنھوں نے اپنی تمام عمر مدح و ثنائے محمد و آل محمد میں گزار دی۔

ہزہائینس میر حسن علی خان ٹالپر کی شخصیت کے متعلق مزید کچھ بیان کرنا راقم کیلئے بہت مشکل ہے بس اتنا کہوں گا کہ ٹالپر حکمران خاندان میں اس ہستی پر محمد و آل محمد کی خاص عنایتیں اور مہربانیاں ہوتی رہی ہیں۔ جن کا تذکرہ میرِ صاحب نے اپنی فارسی زبان میں تالیف "رویائے صادقہ" میں کیا ہے۔ کتاب "رویائے صادقہ" کا راقم الحروف نے سندھی زبان میں ترجمہ کیا ہے جس سے چند نثری اقتباسی خواب پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ خواب اپنے بھائی سرکار شوکت مدار مرحوم میر عباس علی خان اعلیٰ اللہ مقامہ کے انتقال کے بعد حضرت شفیع المذنبین کو اپنی قیام گاہ پر عالم خواب میں دیکھا کہ آپ کرسی پر بیٹھے ہیں۔ وہ کرسی جو مثل بلندی تھی اور میں ایک ایسی وادی یا میدان میں تھا جہاں پر مجھے اتفاق سے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ نبی اکرمؐ کے بائیں جانب میں متحیر تھا۔

حضرت رسول خدا شمع نور کو میں نے دیکھا کہ عرش سے حضرت روح الامین (جبرئیل) ہاتھ میں زرین خط سے لکھے فقرات لے کر نازل ہوئے جو رسولِ خدا کے ہاتھ میں دیئے میں نے کسی مددگار سے معلوم کیا کہ یہ کیا ہے تو اس نے کہا ! رب العزت کی طرف سے یہ سورۃ تمہارے بھائی کے لیے آیا ہے ۔ میں نے کہا اگر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے تو کیا اچھا ہو جس پر انہوں نے کہا کہ جس طریقہ سے رب العزت نے حکم صادر کیا ہے اسی طرح ہوگا ۔

۲۔ **خواب** مجھ حقیر کے والدہ کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میری والدہ اپنے ایک چھوٹے سے گھر میں سید الشھداء حضرت امام حسینؑ کے سامنے با ادب استادہ ہیں ۔ پھر دیکھتا ہوں کہ سید الشھداء کے سامنے حضرت خاتونیں معصومتین جناب زینبؑ خاتون اور جناب سکینہؑ حاضر حضور ہیں ۔

۳۔ **خواب** برادر مکرم سید الشہدائے حضرت عباسؑ علمدار کا جو سفید گھوڑے پر اور سفید لباس میں ملبوس ہیں مجھ حقیر نے عالم خواب میں دیدار کیا ۔ اس وقت میں اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ۔ حضرت عباسؑ نے اپنے سر سے رومال یا ایک پارچہ کپڑے کا اتار کر مجھ حقیر کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ حضرت معدن نبوت اور آئمہ صفوت صلواۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ میں آپ کے سر پر یہ رومال یا پارچہ رکھوں

۴۔ **خواب** شب پنجشنبہ بتاریخ ۲۹ ربیع الاول ۱۲۸۷ ھ گذری ہوئی یا پہلی ربیع الثانی کی رات تھی اور میں رات کا کھانا کھاکر سوگیا ۔ جناب امیرؑ کے عطائے شرف سے مشرف ہوا ۔ آنحضرت ایک کمیت گھوڑا مجھے دینے لگے ۔ میں نے گمان کیا کہ یہ عربی نسل کا گھوڑا ہے مجھے جو یاد تھا لکھ دیا ۔

۵ ۔ **خواب** ۲۵ ماہ صفر ۱۲۹۲ ھ کو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ شخص جو اس گنہگار سے کہتا ہے کہ آئمہ اثناعشری صلوات اللہ علیہم تیری مدد کے لیے تشریف لارہے ہیں ۔ اس گنہگار نے بصورت تعجب پوچھا کہ تمام آئمہ اثنا عشر صلواۃ اللہ علیہم اس ضعیف کے گھر میں تشریف لائیں گے ۔

ہز ہائینس میر حسن علی خان ٹالپر نے اپنے بزرگوں کی طرح دین اسلام اور مذہب حقہ اثناء عشرہ کی تبلیغ وترقی کے لیے اپنی زندگی صرف کردی ۔ میر صاحب کو عزائے امام مظلوم سے خاص شغف تھا اس کے علاوہ تعزیہ داری اور ماتمداری کے فروغ میں بیحد دلچسپی لیتے تھے ۔ میر صاحب نے اپنی رہائشی کوٹھی کا ایک حصہ بطور امام بارگاہ تعمیر کروایا تھا ۔ اس میں ایام عزا میں مجالس ہوتی تھیں ۔ یہ بنگلہ آج بھی لطیف آباد نمبر ۴ حیدرآباد سندھ میں موجود ہے جہاں ایام عزا میں اب بھی مجالس ہوتی ہیں اس کے علاوہ میر صاحب اپنے مشیر خاص میرزا فتح علی بیگ فتح کی تعمیر کردہ امام بارگاہ ٹنڈو آغا میں بھی شریک مجالس عزا ہوتے رہے تھے ۔

اسلام کی تبلیغ کے لیے آپ نے ہندوستان سے قبلہ مولانا ابوالقاسم لکھنوی کو مدعو فرمایا جو امام بارگاہ علی آباد ٹنڈو آغا حیدرآباد میں سکونت پذیر ہوئے اور حیدرآباد شہر میں دین کی تبلیغ کرتے رہے ۔ اس کے علاوہ مولانا سید ابو الحسن لکھنوی کو مدعو فرمایا جنہوں نے امام بارگاہ علی آباد ٹنڈو آغا حیدرآباد میں " تفسیر قرآن مجید" لوامع التنزیل" تصنیف کیا جس کے بقیہ ۱۵ پارے آپ کے فرزند مولانا سید علی الحائری نے تالیف کیے ۔ یہ تیس پارے میر حسن علی خان ٹالپر اور آپ کے بھانجے میر حاجی نور محمد خان ٹالپر نے زر کثیر خرچ کر کے شائع کروا کے اور مفت تقسیم کی ۔

آپ ہی نے کربلائے معلیٰ میں زائرین کے لیے مسافر خانہ تعمیر کروایا اور سندھ مدرسۃ الاسلام کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپیہ عطیہ دے کر حسن علی آفندی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ اسلام کے دونوں بڑے فرقوں کے علماء بطور اساتذہ مقرر کئے جائیں اور دو مساجد تعمیر کروائی جائیں تاکہ دینی تعلیم سے نئی نسل بہرہ مند ہوتی رہے۔ حسن علی آفندی صاحب نے اس ارشاد پر مکمل عمل کیا ۔ اسی سبب سے میر نور محمد خان ٹالپر کی معاونت سے مولانا سید انیس الحسن صاحب امروہوی سندھ مدرسۃ الاسلام میں شیعہ فرقہ کے طلبا کے لیے استاد مقرر ہوئے ۔ مدرسہ کی امدادی رقم میر صاحب نے اپنے معتمد خاص مرزا فتح علی بیگ فتح کی خواہش پر دی ۔

میر صاحب نے لاولد ۸۵ برس کی عمر میں ۳۰ جنوری ۱۹۰۷ء بروز چہار شنبہ کو حیدرآباد میں وفات پائی۔ میر صاحب کی لاش بطور امانت ان کے بنگلے میں دفن کی گئی۔ بعدازاں ۱۹۱۲ء کو میں ان کے بھانجے میر حاجی نور محمد خان نے لاش ۲ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ کو لاش حیدرآباد سے کربلائے معلیٰ منتقل کروا کے دفن کرائی۔ میر صاحب کی قطعۂ تاریخِ وفات مولانا ابوالحسن لکھنوی نے اس طرح کہی ہے کہ:

بلی میر صاحب محمد حسن
علی خان بہادر بحق رہنمائی
محب امام حسینؑ شہید
دل و جان خود کرد بروئ فدائی
ز دنیا بہ فردوس اعلیٰ رسید
سفر کرد زلیخا سوئ آن سرائی
دہ و پنج تاریخ ذوالحج بود
بہ شنبہ چہارم بحکم خدائی
بہ تاریخ فوتش رقم زد حسن
" سر فکر کردہ در آغوش وائی "

۱۰۲۴ھ

میر صاحب کے مرثیے بہت کم منظر عام پر آئے ہیں۔ حال ہی میں " نہر البکا اور متاع حسن " میر صاحب کے سندھی سلام اور مرثیہ کے مجموعے برادرم میرزا فتح علی بیگ شاہد نے تدوین و ترتیب کیے ہیں۔ جنہیں میر حیدر علی خان ٹالپر کی معاونت و مالی امداد سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔

میر حسن علی خان ٹالپر کی تصانیف

(۱) لسان الحق میزان الصدق درجواب میزان الحق پاور فنڈر

(۲) مختار نامہ (سندھی منظوم) دو جلدیں۔

(۳) رویائے صادقہ (نثرو نظم فارسی)

(۴) نہر البکا (سندھی مجموعہ سلام)

(۵) مثنوی فتح نامہ (سندھی) ترجمہ فتح نامہ فارسی، تالیف میر صوبدار خان میرؔ

(۶) احسن البیان (اردو نثر) درجواب رسالہ تحقیق الایمان از پادری عماد الدین پانی پتی

(۷) ردِّ خوارج (سندھی) در جواب ۲۳ سوالات میر محمد علی خان درباره مسائل عزاداری

(۸) مجموعہ خطوط (فارسی) در جواب مکاتیب پادری فنڈر

(۹) حالاتِ شکار، میر حسن علی خان شکار کے بیحد شوقین تھے۔ اس لیے دو جلدوں میں اپنے شکار کے حالات اور تجربات لکھے ہیں۔

(۱۰) مثنوی حملہ حیدری معروف بہ شہنشاہ نامہ (سندھی)

(۱۱) دیوانِ مناجات و منقبت

(۱۲) دیوانِ قصائد

(۱۳) سندھی مرثیہ ۴ جلدیں

میر عباس علی خان ٹالپر مومنؔ

میر حسن علی خان ٹالپر کے سوتیلے بھائی اور میر نصیر خان کے چھوٹے فرزند میر عباس علی خان کا محبانِ اہلبیت میں شمار ہوتا ہے۔ ان کا لقب "شوکت مدار" تھا ان کی سجع یہ ہے

"یا حضرت عباس علی ادرکنی

میر عباس علی خان کو شیر کا شکار کرنے کا نہایت شوق تھا۔ میر حسین علی خان نے اپنی کتاب "مناقب علوی" فارسی میں لکھا ہے کہ۔ "جناب امیر المومنین علی علیہ السلام نے ایک دن شنگور شیدی کو خواب میں حکم فرمایا کہ تم عباس علی سے کہو کہ شیر کا شکار کرے مگر اسے جان سے نہ مارے کیونکہ وہ میرے نام سے مشہور ہے۔ میں خدا کا شیر ہوں اور وہ جنگل کے شیر ہیں اور خدا تعالیٰ نے جیسے بھی انکا گذر سفر مقرر کیا ہے اس

میں سدِ راہ نہ ہوناچاہیے" یہ خواب میر صاحب کو شگورشیدی نے جاکر سنایا جسے سنکر انہوں نے نظر انداز کردیا اور پھر دوبارہ ایران کے ایک سید نے جو ابھی کلکتے میں آیا تھا انہوں نے میر صاحب کو نہ دیکھا تھا نہ جانتے تھے ، انہوں نے خواب میں حضرت عباسؑ علمدار کو دیکھا جنہوں نے فرمایا کہ " جلدی عباس علی کے پاس جاکہ وہ شیر کا شکارکرتا ہے ۔ اسے منع کرو اور میری طرف سے کہنا کہ میرا نام عباس علی ہے اور تیرا نام بھی عباس علی ہے۔ اسی میں خرابی ہے " میر صاحب نے اس سید سے بھی خواب سن کر اسے بھی نظر انداز کردیا ۔ بالآخر میر عباس علی خان سندر بن کے جنگلات میں شکار کرتے ہوئے اپنی بندوق کا خود ہی نشانہ بن گئے اور ۲۸ سال کی عمر میں ۸ رجب ۱۲۷۳ ھ کو انتقال کرگئے۔

میر عباس علی خان کلکتہ میں بہ زمانہ قید اپنے آقا و مولا سید الشہداء فخر مسیحا سے یوں استدعا کرتے ہیں ۔

یا حسینؑ ابن علیؑ سرور مرداں مددے
نور عینین نبی شاہ شہیدان مددے
خاک کوئ تو مرا داروئ امراض بس است
ای دوائ صحت جملہ مریضان مددے

میر صاحب کی ایک تضمین

رفیقت رسول است و یزدان ہمیشہ
شہ ذوالفقارت نگہبان ہمیشہ
سزاوار عزت ترا باد دولت
رفیقت خدا و اماماں ہمیشہ
چوں مقبول ہستی عطائے شہ دیں
بنام تو زیبد فراواں ہمیشہ
چہ خوش گفت عباس مصرع ہمایوں
مبارک بہ تو لطف واحساں ہمیشہ

میر عباس علی مومنؔ تخلص کرتے تھے آپ کا ایک دیوان فارسی زبان میں تھا جو آپ کے بیٹے میر عبدالحسین کی وفات کے بعد ضائع ہوگیا۔ البتہ ان کی ایک مثنوی موجود ہے۔ جو صاحب تکملۂ مقالات الشعراء نے کسی خطی بیاض سے تکملہ مقالات الشعراء میں بجنسہ نقل کردی ہے۔

میر شہداد خان حیدری

میر شہداد خان بن میر نورمحمد خان اپنے والد کی وفات کے بعد حیدرآباد کی چویاری حکومت میں شریک ہوئے۔ ۱۸۴۳ء میں جب سندھ پر انگریزوں نے قبضہ کیا تب انگریزوں نے دوسرے امیران حیدرآباد کے ساتھ انہیں بھی سورت میں قید کرکے رکھا۔ ان پر کیپٹن انس کے قتل اور فرنگیوں کے کیمپ میں آگ لگانے کا الزام تھا مگر جب اس مقدمہ کی تحقیقات ہوئیں تو لارڈ ڈلہوزی نے انہیں بے قصور ہونے کی وجہ سے کلکتہ جانے کی اجازت دے دی۔ ۷ محرم ۱۲۸۴ھ کو انہوں نے وہیں پر وفات پائی۔ ان کی لاش حیدرآباد میں آبائی قبرستان میں ان کے والد کے قریب دفن کی گئی۔

میر شہداد خان کی بچپن ہی سے طبیعت شاعرانہ تھی۔ ان کا لقب "سرکار بلند اقتدار" اور تخلص "حیدری" تھا۔ ان کا دیوان "دیوان حیدری" کے نام سے موسوم ہے۔

ان کی سجعیں یہ ہیں جو ان کی انگھوٹھی پر کندہ تھی۔

(۱) خاکپائے مرتضیٰؑ شہداد خان ۱۲۴۹ھ

(۲) خاکپائے مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ شہداد خان.

(۳) سربلند از فضل حق پیوستہ باشددر جہاں ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ھ

میر شہداد خان نازک مزاج۔ خوش اخلاق اور غمگین و افسردہ طبیعت کے مالک تھے۔ حکومت کے کاموں میں انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ شعر و شاعری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ حضرت علی کے شان میں ان کا ایک قصیدہ درجہ ذیل ہے۔

ای من کمین غلام تو یا مرتضیٰ علیؑ
وردم ہمیشہ نام تو یا مرتضیٰ علیؑ
در دست قدرت تو بود انتظام خلق
باشد جہان بکام تو یا مرتضیٰ علی
عرش برین نیافت تفاخر بہ کائنات
جز فیض احتشام تو یا مرتضیٰ علیؑ
باقامت خمیدہ سپہر از برای چیست
خم شد باحترام تو یا مرتضیٰ علیؑ
بر حیدری بہ چشم ترحم بہ بین کہ ہست
از صدق دل غلام تو یا مرتضیٰ علیؑ

میر شہداد خان نے کلکتہ میں بزمانہء قید دوسرے میر صاحبان کے ساتھ عراق کے علماء کو دو لاکھ روپے دیکر کربلائے معلیٰ میں سندھ سے آنے والے زائرین حضرت امام حسینؑ کے لیے ایک شاندار مسافر خانہ تعمیر کروایا۔

میر شہداد خان صاحب محبتِ اہلبیتؑ سے سرشار تھے اسی محبتِ اہلبیتؑ میں اپنی تمام عمر گذار دی۔ عزاداری سید الشہدا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ایام عزا میں ماتم داری وگریہ و زاری میں مُصرف رہتے تھے۔

میر حسین علی خان ٹالپر

میر حسین علی خان ٹالپر بن میر نور محمد خان ٹالپر ۱۲۴۵ ھ میں حیدرآباد کے قلعے میں تولد ہوئے۔ میر صاحب کا سن شعور کو پہنچتے ہی تعلیم و تربیت کا اس وقت کے دستور مطابق انتظام کیا گیا۔ ان کا لقب "سرکار دولتمدار" اور تخلص حسین تھا۔ ان کی بجمعیں یہ ہیں جو ان کی مہر پر کندہ ہیں۔

ادرکنی یا حسینؑ ۱۲۷۷ ھ

کرد روشن ز فیض لم زلی
آفتاب جہان حسینؑ علیؑ

—

بروز حشر مددگارِ او علیؑ ولی
زفیضِ نورِ محمد زھے حسین علیؑ

—

ز نور محمد بود منجلی
چراغِ مرادِ حسینِ علیؑ

سندھ پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے بعد میر حسین علی خان ٹالپر کو بھی دوسرے میر صاحبان کے ساتھ گرفتار کرکے کلکتہ بھیجا گیا۔ جہاں سے وہ ۱۸۵۹ء کو سندھ واپس آئے۔

میر صاحب نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شاعری کی اور نظم و نثر کے میدان میں خوب خوب جوہر بکھیرے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ مناقب علوی (فارسی نثر)

۲۔ شاہد الامامت (فارسی)

۳۔ لب لباب (فارسی نثر)

۴۔ دیوان حسینؑ (فارسی و اردو)

۵۔ دیوان حسینؑ (اردو)

المختصر جہاں تک فروغ شیعت و عزاداری کا تعلق ہے تو مذکورہ ادوار کے حوالے اور شواہدِ تواریخ سے یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ ٹالپر حکمران اسلام کے فدائی اور مذہب شیعہ کے شیدائی تھے۔ جنہوں نے اپنے عہد حکومت میں مذہب شیعہ کو فروغ دینے کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔

میر حسین علی خان ٹالپر جب کلکتہ سے واپس حیدرآباد سندھ پہنچے تو مرزا فتح علی بیگ قدیم مراسم کے تحت میر صاحب سے ملاقات کرنے خیرپور سے حیدرآباد پہنچے۔ ملاقات کے بعد مجلس عزائے سید الشھداء کا بھی اہتمام کیا گیا۔ مرزا صاحب نے مرثیہ خوانی کی۔ ان کی مرثیہ خوانی کے میر صاحبان تو پہلے ہی معترف تھے۔ لہذا میر صاحب نے میرزا صاحب کو کو مستقل حیدرآباد میں سکونت اختیار کرنے کے لیے کہا۔ میر صاحب کی خواہش پر میرزا صاحب نے ابتداً اپنے دو فرزندان میرزا غلام حیدر بیگ اور مرزا قاسم علی بیگ کو حیدرآباد بھیجا۔ دونوں بھائی میر صاحب کے پاس مرثیہ خوانی کرتے رہے۔ ہر شب جمعہ "میرن جاقبا" پر اور ہر جمعہ کو قدم گاہ مولیٰ علیؑ پر مجلس عزا منعقد ہوتی تھی تاکہ مومنین فضائل اہلبیتؑ سے مستفید ہوسکیں اور مصائب محمد و آل محمد پر محزون ہوں اس کے علاوہ میر صاحب دونوں میرزا صاحبان کی معرفت حیدرآباد میں عزاداری کرنے والوں کو نذرانے بھیجتے تھے۔ میر صاحب کی منعقدہ مجالسِ عزا میں شہر حیدرآباد کے رہنے والے بھی بڑی تعداد میں عقیدت و احترام سے شریک ہوتے تھے۔

میر صاحب نے ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۵ ھ بروز یکشنبہ وفات پائی۔ ان کی لاش ان کے آبائی قبرستان "میرن جاقبا" پر دفن کی گئی جہاں میر حسن علی خان ٹالپر کے ارشاد پر مجلس عزا برپا ہوئی جس میں میرزا فتح علی بیگ نے سندھی میں مرثیہ خوانی کی۔ مجلس عزا کے بعد لاش سپرد خاک کی گئی۔ اس ہر دلعزیز شاعرِ آلِ محمدؐ کی وفات پر میرزا فتح علی بیگ فتح کا کہا ہوا فارسی زبان میں قطع تاریخ یہ ہے۔

فخر زمان حسین علی میر تاجدار
چون رفت سوئ روضئہ رضوان بہ تشھد
سال وصال پیر خرد گفت برملا
افسوس "آفتاب ضیا" بس غروب شد

جناب امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی مدح میں ان کی ایک منقبت حسب ذیل ہے

امیرؑ و سید و سرور علی ابن ابی طالب
ولئی حضرت داور علی ابن ابی طالب
نبی راهمدم و همسر نبی را ناصر و یاور
نبی را بهترین چاکر علی ابن ابی طالب
علوم مصطفیٰ را در نبودہ کس جزآن سرور
امیر المومنین حیدر علی ابن ابی طالب
چگویم نفس دیدہ ہم به مهد اژدر
که بود آن فاتح خیبر علی ابن ابی طالب
بود بر اولیا افسر بود بر اولیا مهتر
بود در انبیا خوشتر علی ابن ابی طالب
ز ایزد ساقئی کوثر ز ایزد دین را داور
ز ایزد هادی و رهبر علی ابن ابی طالب
به مقرب خسرو خاور حسینا کیست جز حیدرؑ
شه مشکلکشا سرور علی ابن ابی طالب

میر حاجی نور محمد خان ٹالپر

میر حاجی نور محمد خان بن میر حسین علی خان چہار شنبہ بتاریخ ۱۱ شوال ۱۲۷۹ ھ کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے قرآن مجید اور دینی تعلیم اپنے ماموں سرپائینس میر حسن علی خان سے حاصل کی ۔ میر نور محمد صاحب نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے ۔ ان کی پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر نماز از سر نو غسل کرکے ادا کرتے تھے ۔ میر صاحب جب حج کیلئے گئے تو اس وقت سندھ کے عظیم شاعر گدا شاہ بھی ان کے ساتھ شریک تھے اور انہوں نے ایک مثنوی میں اس سفر کا تذکرہ کیا ہے جو کلیات گدا میں

موجود ہے ۔

حیدرآباد سندھ میں موجودہ " انجمن امامیہ سندھ " حیدرآباد سندھ کے بانی بھی میر نورمحمد خان ٹالپر ہیں میر صاحب کی مذہبی خدمات سے متاثر ہوکر سندھی زبان میں میاں نورمحمد کمانگر نے ایک دعائیہ نظم میں میر صاحب ، میر صاحب کے اولاد اور ان کے وزیر اعظم میرزا بڈھل بیگ کے متعلق اشعار سندھی زبان میں نظم کئے ہیں ۔ میرے جد بزرگوار مرحوم میرزا علی نواز بیگ (میرزا فتح علی بیگ فتح کے پوتے) ۱۹۱۹ء سے لیکر میر حاجی نورمحمد خان کے خزانچی اور شاہی نوادرات کے نگھبان تھے ، وہ فرماتے تھے کہ میر صاحب بڑے سخی تھے جب بھی عراق و ایران کی زیارت کے لیے جاتے تھے تو لفافہ میں بند رقوم مجھے دیکر شہر کے سفید پوش لوگوں کو دیکھ کر انہیں ایک گوشہ میں بلاکر وہ بند لفافہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لفافہ گھر جاکر کھولیں ۔ میرے پوچھنے پر میر صاحب فرماتے تھے کہ یہ سفید پوش جن کے گھروں میں ۳۔۳ دن سے بھوک ہے یہ شرافت کی وجہ سے کسی سے بھی نہیں مانگتے ایسے ہی غرض مندوں کی مدد کرنی چاہیئے ۔

تفسیر لوامع التنزیل ، مختلف احکامات شرعیہ پر مبنی رسائل ، نہر البکا مجموعہ سلام میر حسن علی خان ٹالپر ، شگوفہ ماتم (دو جلدیں) مجموعہ مرثیہ و سلام تصنیف مرزا ہڈھل بیگ کی اشاعت اور مفت تقسیم میر صاحب کی سخی ہونے پر دلالت کرتی ہے یہی نہیں بلکہ کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسینؑ کے روضہ کے باب زینبیہؑ کے دائیں جانب کے منارہ کو ۹۵ ہزار روپیہ کے خرچ سے سونے کا تعمیر کروایا ۔ میر صاحب نجف اشرف ، کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس کی زیارت سے شرف یاب ہوئے ۔ حضرت امام رضاؑ کے روضہ کی زیارت کے وقت ان کے ساتھ میرزا غلام رسول بیگ بھی تھے جن کا ذکر میرزا صاحب نے سندھی زبان میں کہے ہوئے ایک قصیدہ میں کیا ہے ۔ اسی طرح میرزا قربان علی بیگ نے بھی کربلائے معلیٰ کی زیارت کا تذکرہ اپنے ایک سندھی سلام میں کیا ہے ۔

میر حاجی نورمحمد خان اپنے بزرگوں کی طرح ماتمداری اور عزاداری میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور محرم میں مجالس برپا کراتے تھے جس میں میرزا غلام رسول بیگ ، میرزا بڈھل

بیگ ، میرزا قربان علی بیگ ، میرزا امام علی بیگ ، میرزا علی رضا بیگ اور میرزا گل حسن بیگ مرثیہ خوانی کرتے تھے ۔

میر صاحب کے انتقال کا واقعہ جدبزرگوارم مرحوم میرزا علی نواز بیگ کی زبانی سنیئے ۔ ۱۹۲۶ ء میں میر صاحب کربلا معلیٰ زیارت کے لیے چلے میں ساتھ تھا وہیں رہ کر اپنی قبر بنوائی ۔ جب قبر تیار ہوئی تو میری موجودگی میں قبر میں اترے پاؤں پھیلاکر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کرلیں ۔ مجھے میر انیس کا یہ شعر یاد آگیا ۔

یاد آیا دامن مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سوگئے

میں قبر میں جھکا تو میر صاحب قبر سے سندھی زبان میں اس طرح باتیں کررہے تھے ۔ ترجمہ : مائی تو ہے تو بہت اچھی ، ابھی نہیں اگلے برس آکر تجھ میں ہمیشہ کے لیے سوجاؤں گا ۔ " یہی ہوا ۱۹۲۷ ء میں تمام ملازمین کو روانہ کیا اور بنگلے کے دروازے خود بند کئے میں ساتھ ساتھ تھا ۔ صدر دروازہ بند کرکے سامنے کھڑے ہوکر بنگلے کو آخری سلام کیا اور کربلا معلیٰ راہی ہوئے ۔

کربلا معلیٰ پہنچے دوسرے روز بعد نماز صبح سید ہاشم (کلید برادر روضہ سرکار سید الشہدا علیہ السلام) میرے ساتھ نجف اشرف چلے ۔ آقائے طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت آیۃ اللہ کے دوش پر بوسیدہ عبا اور آپ کے لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے ۔ چہرے پر وہ نور برس رہا تھا کہ مجھ سے نہ دیکھا گیا ۔ تحفہ و تحائف پیس کئے ۔ آقا صاحب کا ہاتھ میر صاحب کے ہاتھ میں رہا ۔ میر صاحب نے سید ہاشم سے کہا کہ آقا صاحب سے گذارش کریں کے وعدہ کریں کہ جو میں استدعا کروں گا وہ قبول ہوگی ۔ آقا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میر صاحب آپ فرمائیں اور میر صاحب وعدہ کے لیے بضد ۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا ۔ ہاتھ ہاتھ میں رہا اور میں نے دیکھا کہ اچانک حضرت آیۃ اللہ طباطبائی رحمۃ اللہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور انہوں نے سندھی زبان میں فرمایا میر صاحب

" هنيئر هينئر حضرت علي عليه السلام

ارشاد فرمايو آهي افسوس اوهان سند واپس نه ويندا ۔ "

ترجمہ : (میر صاحب ۔ ابھی ابھی حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ افسوس آپ سندھ واپس نہیں جائیں گے) میر صاحب نے خوشی سے آقا صاحب کے بوسے لیے اور دوڑ کر ضریح حضرت علی علیہ السلام کا طواف کرنے لگے ۔ آقا صاحب نے میر صاحب سے ارشاد فرمایا کہ آپ تو جارہے ہیں لیکن غریب طلباء کی معاونت کون کرے گا ۔ میر صاحب نے کہا آقا صاحب آپ کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے ۔ ان کی معاونت ہوجائے گی ۔ لیکن جو معاونت آپ نے میری کی ہے وہ کسی اور کو کہاں نصیب ۔

ہم کربلا معلیٰ واپس پہنچے تقریباً دو بجے کا وقت تھا میں نے ملازم سے کہا کہ میر صاحب کے غسل کا وقت ہوگیا ہے لہذا خربوزہ میر صاحب کو نہ دینا ۔ میں میر صاحب کے کھانے کا اہتمام کرنے کے لیے باہر آیا ۔ ادھر میر صاحب نے خربوزہ مانگا ملازم نے دے دیا مجھے پتہ نہ تھا میر صاحب غسل کرکے آگئے کھانا لگایا گیا میں سامنے موجود رہا میر صاحب نے لقمہ لیا اور چاہا کہ تناول فرمائیں کہ اچانک ناک سے پانی بہنے لگا ۔ کھانا ہٹایا گیا ۔ میرے پھوپھی زاد بھائی ڈاکٹر میرزا علی مدد بیگ نے معائنہ کرکے بتایا کہ میر صاحب کو سرسام ہوگیا ہے اب میر صاحب کے کمرے میں صرف میں تھا یا میر صاحب کی چارپائی ۔ ایک مرتبہ میر صاحب نے مجھے اشارہ کیا میں نے مخدرات میں اطلاع بجھوائی میں دروزہ بند کرکے ایک قدم آگے بڑھا تو اندر سے رونے کی آواز آئی مخدرات واپس گئیں میں نے آکر دیکھا ہاتھ پاؤں سیدھے ہیں اور آنکھیں بند ہیں جیسے میر صاحب میٹھی نیند سورہے ہوں ۔ ارباب حکومت کو اطلاع ہوئی افسران بالا آئے جنازہ کو غسل کفن دیا گیا ۔ کفن کے لیے سرکار سید الشہدا کے قبر مطہر سے چادر عنایت ہوئی ۔ یہ ۲۸ ذی الحج تھا جنازہ نماز ادا کی گئی لوگوں کا جم غفیر تھا جنازہ جیسے پانی پہ تیر رہا تھا ۔

قبر میں لاش کو میں نے اور چچا میرزا غلام رسول بیگ نے اتارا ۔ میں نے بہ غور میر صاحب کے چہرے کی طرف دیکھا تو محسوس کیا کہ میر صاحب سانس لے رہے ہیں میں

نے چچا کی توجہ مبذول کرائی تو انہوں نے صرف اتنا فرمایا کہ یہ مودت اہلبیتؑ کا صلہ ہے۔ مومن مرتے نہیں۔

شام کے وقت سید ہاشم پریشان میرے پاس آئے۔ چونکہ میں خزانچی تھا لہذا لوگ معاملات مجھ سے ہی طے کرتے تھے۔ میں نے شاہ صاحب سے پریشانی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا:

میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ سرکار امام حسینؑ قبر مطہر سے باہر تشریف لائے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میر نور محمد خان کا انتقال ہوگیا ہے ہماری قبر کا غلاف انکے کفن کے لیے لے جاؤ میں اٹھا ضریح کے قریب پہنچا تو غلاف رکھا ہوا پایا چونکہ غلاف بہت بڑا تھا لہذا میں نے دو ٹکڑے کر لیے ایک آپ کے کفن کے لیے دیا اور باقی ٹکڑا میں نے میر علی بخش خان ٹالپر (میر صاحب کے فرزند) کو دینے کے لیے رکھا تھا تاکہ ان کو دے کر نذرانہ حاصل کروں گا۔ لیکن میرزا صاحب نے سارا گھر چھان مارا مگر غلاف کا پتہ نہیں چلا۔ میں نے کہا شاہ صاحب جس کے لیے آیا تھا اسی کو نصیب ہوا چاہے قبر کھدوا کر دیکھ لو۔ شاہ صاحب نے کہا میرزا صاحب واقعی سچ کہا آپ نے"۔ (یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ اپنے سچے غلاموں کو بھولتے نہیں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ میر صاحب کے دو فرزند ہوئے میر محمد بخش خان ٹالپور اور میر علی بخش خان ٹالپر ان دونوں بھائیوں نے قدم گاہ مولیٰ علیؑ حیدرآباد پر جامع مسجد ابو الفضل کی تعمیر کے لیے میرزا علی محمد بیگ ابن میرزا قربان علی بیگ کی استدعا پر بلامعاوضہ پلاٹ دیا اور مسجد شریف کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کی محفل میر مراد علی خان بن میر علی بخش خان ٹالپر نے منعقد کروائی۔

میر عبدالحسین خان سانگی

میر عبدالحسین خان سانگی ۱۲۶۸ھ میں کلکتہ میں پیدا ہوئے ان کی تعلیم کے لیے کلکتہ میں ایک عالم فاضل میرزا حسن علی عرف میرزا بزرگ وفا مقرر ہوئے۔ میر عبدالحسین خان میر عباس علی خان کے فرزند اور میر حسن علی خان کے بھتیجے تھے۔ یہ شاعر تھے ان

کا تخلص سانگی تھا ۔ سندھی ادب میں ان کو سندھی غزل کا شہنشاہ کہا جاتا ہے نثر میں بھی انہیں خاصہ ملکہ حاصل تھا ۔ ان کی سجع یہ تھی ۔

" سبز پوش ماتم آل عبا عبدالحسین "

فارسی اور اردو شاعری میں ان کے استاد مولانا ابوالحسن ابن مولانا مہدی الحسن لکھنوی تھے ۔ اور سندھی شاعری میں سید غلام محمد شاہ گدا ان کے استاد تھے ۔ حضرت علیؑ کی انہوں نے جگہ جگہ اپنے اشعار میں مدح کی ہے جس کے اقتباسات یوں ہیں ۔

نیست تفکر که بروز حساب
ضامن من ساقئی کوثر فتاد
لاجرم آسان روم از پل صراط
دست مرا دامن حیدرؑ فتاد

—

می نوازد مرا چون شاہ نجف
می رسم من به بارگاہ نجف
پاک خاک است و پاک طاق و رواق
شد زیادہ ز عرش جاہ نجف
ہر کسی تنگ آید از عصیاں
گردد آسودہ در پناہ نجف
ہریکے را نوازد از الطاف
ہست مشکل کشا چو شاہ نجف
گشت اشرف ترین زفرش زمیں
شد چو عرش برین راہ نجف
منم عبدالحسین کمتر تر
بندہ بندگان شاہ نجف

خیرپور میرس کے میر

میر سہراب خان ٹالپر

کلہوڑوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد جب میر فتح علی ٹالپر نے اپنے ملک کو تقسیم کیا تو بالائی سندھ کا حصہ میر سہراب خان کو دیا۔ جس کا دارالحکومت خیرپور میرس مقرر ہوا اور میر سہراب خان اس کے خود مختار حاکم ہوئے۔ میر سہراب خان بن میر چاکر خان (متوفی ۱۱۸۰ ھ) خیرپور کی حکومت کے پہلے فرمانروا تھے۔ یہ ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے اپنے خاندان کے رسم و رواج کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کی اور حیدرآباد کے ٹالپر امیروں کے ساتھ ان تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ میر سہراب خان ۴۷ برس حکومت کرنے کے بعد کچھ عرصہ پہلے نظام حکومت اپنے بیٹوں میر رستم خان، میر مبارک خان اور میر مراد علی خان کے حوالے کرکے خود احمد آباد (کوٹ ڈجی) میں گوشہ نشین ہوگئے۔

۴۷ صفر ۱۲۴۶ ھ کو جب کہ میر سہراب خان کی عمر ۹۰ برس تھی، اپنے محل کے دریچہ سے گرگئے اور وفات پائی۔ مندرجہ ذیل مصرع سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

(۱) طشت از بام فتاد
(۲) زبام فلک شد فرود آفتاب
(۳) سخی و ولی میر سہراب بود

میر سہراب خان ایک بیدار مغز، سادگی پسند، سخی، مہمان نواز، بلند اقبال، غریب پرور، قدر شناس اور رحمدل حکمران تھے۔ صاحب تازہ نوائے معارک میر سہراب خان کے اوصاف و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

"عجب میر ممدوح کامل صفات و دانائے زمانہ بود، بلکہ اسم اعظم درجبیں نور آگیں خود داشت، درملک داری و غریب پروری و قدر شناسی و شریف نوازی و مسافر پروری ضرب المثال عالم تو ان گفت۔"

جنگ ہالائی ۱۱۹۸ ھ میں میر سہراب خان اور دوسرے امراء کے متحدہ لشکر کی فتح ہوئی۔ الغرض امیران خیرپور، امیران حیدرآباد کی طرح اثناء عشری مذہب سے وابستہ تھے۔

اسی لیے میر سہراب خان نے اس فتح کے بعد خیر پور میں عَلَم حضرت عباس علیہ السلام نصب کروایا جو آج بھی وڈے میر جوانگاس " کے نام سے مشہور ہے ۔ ریاست کے دور میں اس عَلَم کو محرم کی چاند رات چڑھاتے وقت نو (۹) توپوں کی سلامی دی جاتی تھی ۔

میر سہراب خاں جہاں رزم گاہ کے رموز آشنا اور توسیع پسند حاکم تھے ۔ وہاں ایوانِ بزم کے آداب سے آگاہ ہونے کے وجہ سے میر مجلس ثابت ہوئے ۔ ان کی فارسی شاعری خوشبوئے حب اہلبیتؑ میں بسی ہوئی ہے ۔

میر سہراب خان ٹالپر ، میر فتح علی خان ٹالپر کی طرح عزاداری برپا کرتے تھے ۔ ایام عزا میں مجالس عزا کا خاص اہتمام کرتے تھے ۔ جس میں میرزا مراد علی بیگ سائلؔ مرثیہ خوانی کرتے تھے میرزا مراد علی بیگ ، میر سہراب خان کے معتمد خاص اور سندھ کے پہلے سندھی مرثیہ گو شاعر تھے ۔ اس کے علاوہ میرزا صاحب ، میر سہراب خان کے وکیل بھی تھے وہ امیرانِ حیدرآباد اور امیران خیرپور کے مابین سفارت کے فرائض بھی سر انجام دیتے تھے علاوہ ازیں ، راولپنڈی کے قریب سید کسریٰ نامی گاؤں کے ایک سید پیر لعل شاہ نامی مجدد عزادار گذرے ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام اور ترویج عزاداری میں اپنی عمر صرف کردی ، تبلیغ اسلام اور عزاداری کے سلسلے میں کوہ ہمالیہ سے ہوتے ہوئے خیرپور میرس پہنچے جب کوٹ ڈجی کے آس پاس انہوں نے تبلیغ کی تو ان کی شہرت سن کر میر سہراب خان ناصرف ان کے مرید ہوئے بلکہ سید صاحب کی ایما پر میر سہراب خان نے دارالسلطنت خیرپور میرس میں عزاداری کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور محرم کے اخراجات کے لیے شاہی خزانے کے دروازے کھول دیئے ۔

اسی دور میں ہندوستان کے مشہور سادات بارہ کے جانسٹھی محلہ سے تعلق رکھنے والے سید بندہ علی شاہ ۱۲۴۰ ھ کے لگ بھگ خیرپور میں آکر فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے ۔ میر سہراب خان نے انہیں اپنے معتمد خاص سفیر میرزا مراد علی بیگ سائلؔ کے سپرد کردیا ۔ یہ بزرگ خیرپور کی اس امام بارگاہ کے قریب سکونت پذیر ہوئے جو میرزا مراد علی بیگ سائل نے تعمیر کروائی تھی اور آج بھی یہ امام بارگاہ " علی رضا شاہ جو تھلو " پر خستہ حالت

میں موجود ہے اسی امام بارگاہ میں قدیم ایامِ محرّم میں چھ محرم کو مہندی کا ماتم ، روز عاشور اور ناقہ سوار کا ماتم برپا ہوتا رہا ہے ۔

میر سہراب خان محبّ آلِ محمدؑ ، اثناء عشری ، نیک ذات ، خوش صفات ، عالم اور شاعر تھے ۔ ان کا تخلص مسکینؔ تھا ۔ ان کے دیوان میں فارسی مرثیہ و قصائد ملتے ہیں ۔
چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مدح میں ان کے اشعار پیش خدمت ہیں ۔

ای دلا مدح بکن آن شاہ ختم الانبیاء
صاحب لولاک جودو نور اعظم کبریا
آن وصئی مصطفیٰ آن مظہر اسرار حق
سید عالی نسب یعنی امیر لافتیٰ
سید مسموم مغموم آمدہ سبط رسولؐ
سرور والا گوہر آن شاہ حسن المجتبیٰ
سرور لب تشنگان و سر و ہمدوش حسنؑ
نوگل بستان زہراؑ در زمین نینوا
آن جگر گوشئہ رسول مصطفیٰ شاہ حسینؑ
شد شہید و بیوطن مظلوم در کرب وبلا
سید سجادؑ سرور نورچشم مرتضیٰؑ
جانشین مصطفیٰ آن شاہ دین زین العباؑ
باقرؑ و جعفرؑ و کاظمؑ مخزن انوار حق
عاجزان را دادرس سلطان علیؑ موسئی رضا
چون تقی و متقی آن منبع اسرارحق
کاشف علم لدنی صاحب حلم و حیا
آن تقی شاہ دین آن صاحب فضل و سخا
حل کن مشکل تو شاہا عاجزم بس مبتلا
از امام عسکریؑ روشن شدہ ارض و سما

مہدیؑ صاحب زمان روشن کند دین باضیا
اکبرؑ و اصغرؑ علیؑ عباسؑ قاسمؑ بالیقین
سر فدا کردند پیش نورچشم مصطفیٰ
ایخداوندا بحق دوازدہ عالیٰ جناب
عاصیان راجز در تونیست دیگر التجا
بخش کن باماهمه مدعا بدل دارم یقین
چونکه مسکین خاکپائی مومنان آل عبا

میر صاحب کے ایک سلام کے چند اشعار

اتفاقاً آمدم در بوستان بہر لقا
هر گل و اشجار به مشغول درماتم عزا
لاله را گفتم چرا خونی قبا استادی
گفت از اندوہ آل حضرت خیرالوریٰ
گفتم این داغ سیه در سینه ات ازبهرچیست
گفت کشت از واقف شاہ شہید کربلا
یاسمین زرد رو استاد در صحن چمن
شد کبود از ماتم اکبر علیؑ نور ضیاء
احمر عباسی استاد بود اندر چمن
خون فشان شد از غم عباسؑ شاہ اولیا
کل شیئاً دان تو مسکین ماتم آرائی حسینؑ
ماتم آرائی بکن فرزند شاہ لافتیٰ

میر رستم خان ٹالپر

میر سہراب خان کے انتقال کے بعد میر رستم خان مختار ریاست ہوئے ۔ خیر پور کی یہ حکومت بھی بعینہ حیدرآباد کی چوپاری حکومت کی طرح تھی ۔ میر رستم خان طبعاً صاف گو

انسان تھے ۔ اپنے والد کی طرح سیاست کے نشیب و فراز کے ماہر نہ تھے ۔ مسندِ حکومت پر متمکن ہوتے ہی انہوں نے ریاست خیرپور کی انگریز دوستی کے سرگرداں و آوارہ خلاف قدم اٹھانے شروع کردیئے ۔ نتیجۃً دربدر ہوئے ۔ ریگستانوں کی خاک چھانتے پھرتے پھراتے حیدرآباد پہنچے اور انہی کے اکسانے پر میانی کی جانب جنگ برپا ہوئی ۔ اس کے علاوہ میر علی مراد خان سے اختلاف کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں حکومت سے ہاتھ اٹھانا پڑا اور ریاست کے حاکم میر علی مراد خان مقرر ہوئے۔ میر رستم خان کی پوری زندگی درد ناک اور پریشانی و کشمکش سے تعبیر ہے نیز آخری ایام میں ان کے بیٹوں کے اختلاف اور نفاق نے انہیں مزید دلگیر و مغموم کردیا ۔ میر رستم خان ایک محبِّ اہلبیتؑ اثنا عشری حاکم تھے انہوں نے بھی ہمیشہ مجالس و محافل میرزا مراد علی بیگ سائلؔ کے توسط سے برپا کروائیں جن میں مرزا صاحب ہی مرثیہ خوانی اور منقبت خوانی کرتے تھے ۔

میر رستم خان نے میانی کی جنگ میں شکست کھائی ۔ انگریزوں نے انہیں بھی امیران حیدرآباد کے ساتھ گرفتار کر کے پونا میں قید کردیا۔ جہاں انہوں نے ۱۲۶۲ ھ میں وفات پائی ۔

میر علی مراد خان اول

میر علی مراد خان اول موجود ریاست خیرپور کے بانی اور حکمران ہوئے اور میر سہراب خان کے بااختیار جانشین ثابت ہوئے ۔

میر علی مراد خان نے اپنے دور حکومت میں مذہب حقہ کو فروغ دیا اس کے علاوہ ایام عزا میں خود بھی مجالس و محافل برپا کرواتے رہے ۔ خیرپور شہر کے محلہ اثناء عشری میں جسے اب " علی رضا شاہ جوتھلو " کہا جاتا ہے ۔ نہایت ہی اہتمام سے عزا داری برپا کی جاتی تھی۔ ان ہی مجالس سے فیض یاب ہوکر آخوند محمد عالم نے مرثیہ گوئی کا آغاز کیا جو کہ میر زا فتح علی بیگ بن میرزا مراد علی بیگ سے اصلاح لیتے تھے ۔

خیر پور شہر میں پہلے ہی سادات بارہ کی قائم شدہ امام بارگاہ اور ان کے متولی کی فارغ البالی کے لیے میر علی مراد خان نے ریاست کی آمد میں سے چالیسواں حصہ اس

خاندان کے لیے مختص کردیا تھا ۔ میر علی مراد خان کے ہی دوَر میں بھاولپور ریاست کے سرکاری حکیم سید محمود علی شاہ رضوی محلہ بچل شاہ مین آکر آباد ہوئے ان کی سرکردگی میں عزاداری کا ایک اور مرکز قائم ہوا۔ اس وقت کے استاد الزاکرین سید علی شاہ کی معرفت کوٹ ڈجی شہر میں سید قاسم علی شاہ رضوی آکر آباد ہوئے ۔ جو ایک بہترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم میں بیحد مہارت رکھتے تھے ۔ انہیں خیرپور ریاست میں شیعہ مفتی مقرر کیا گیا ۔ شاہ صاحب کے سید علی حائری اور سید عبدالعلی ہروی جیسے یگانہ روزگار علماء سے دوستانہ تعلقات تھے ۔

میر علی مراد خان کی سجعہ یہ ہے ۔

علی مراد مراداد بخت یاری کرد

میر صاحب نے کوٹ ڈیجی میں عَلم عدالت نُصب کرایا۔ آپ نے ۱۲۵۸ ھ تا ۱۳۱۱ ھ یعنی ۵۳ برس حکومت کی جو ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے برابر ہے۔ آپ نے ۱۳۱۱ ھ میں وفات پائی ۔ میر صاحب کی لاش کربلائے معلیٰ لے جائی گئی ۔ کربلائے معلیٰ اور بصرہ میں ان کی لاش کا شاندار استقبال کیا گیا اور میّت کو کربلائے معلیٰ میں دفن کرنے کے لیے ایک خاص حجرہ لے کر دفن کیا گیا۔ میاں غلام محمد شاہ گدا نے ان کی وفات پر مندرجہ ذیل قطع تاریخ لکھا ہے ۔

میر صاحب علی مراد امیر
حمزوی بود آن بدیع الزمان
در شجاعت چو رستم و سھراب
در سخاوت چو حاتم و قاآن
خادم عزت رسول اللہ
شیعۂ پنجتن عظیم الشان
والئی خیرپور خوش اخلاق
بود ضرب المثل بنام و نشان

چون نیاید نجات در محشر
شد وفاتش چو درمه رمضان
کربلا شد مقام مدفن او
بر سرش باد رحمت یزدان
سال نقلش گدا بروئ بهشت
گفت هاتف بهشت یافت مکان

۱۳۱۱ھ

گدا کے علاوہ سید غلام مرتضیٰ مرتضائیؔ نے بھی ان کی وفات پر یہ قطع تاریخ لکھا ہے۔

فغاں آہ افسوس شد درد ناک
در این واقعه جان گداز الم
ازین خاکدان تابه چرخ برین
صدائ است وا حسرتا وا ستم
ز چشم زمان اشک حسرت به بین
در این ماتم آمد کرهائ خم
ز ترحیل این والئ خیرپور
زن و مرد حسرت کنان چشم نم
مکین شد بدر بار شاه شهید
بلی بر محبان است وافر کرم
محب نبی دوستدار علیؑ
عزادار شه کربلا دمبدم
علیؑ مراد آنکه سرخیل سنده
سروشم بگفتا بسادر دو غم
بروز دو شنبه زماه صیام
بود بست و چارم قضا داد دم

دل مرتضائی در این غم غمین
زغم روسیه نیز وارد قلم

۱۳۱۱ھ

میر فیض محمد خان اول

میر فیض محمد خان اپنے عالی قدر پدرِ بزرگوار کے انتقال کے بعد ۱۳۱۱ھ میں مسند ریاست پر رونق افروز ہوئے ان کی مہر پر یہ سجع کندہ کی گئی۔

بحق فیض محمد علی مراد داد

میر فیض محمد خان بڑے نرم طبیعت، سادگی پسند، رحمدل اور منکسر المزاج حکمران تھے۔ عجزو انکساری انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی۔ میر صاحب ایک انصاف پسند، رعایا پرور، بنی نو انسان کے ہمدرد، غربا و مساکین کے سرپرست اور مشفق و محترم حاکم تھے ۱۹۰۳ء میں میر فیض محمد خان دہلی گئے تو ان کا نام سن کر دہلی کے بہت سے شعراء نے آپ کی شان میں قصائد و قطعات کہے جو فارسی زبان میں ہیں اس کے علاوہ ۱۸۹۷ء میں مکہ معظمہ کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر انہیں سی۔ آئی۔ اے کا خطاب ملا۔ میر صاحب نے سندھ مدرسۃ الاسلام میں شیعہ مدرسہ کے لیے چھ ہزار روپیہ کا عطیہ بھی دیا۔

میر فیض محمد خان ایک باخدا، متشرع، روزہ و نماز کے پابند اور خدا ترس انسان تھے ایام محرم میں عزاداری برپا کرتے تھے اور اس مدت میں خود کوئی لذیذ طعام تناول نہیں کرتے تھے ۱۹۰۸ء میں کربلائے معلیٰ کی زیارت کرنے گئے اور وہاں بھی بڑی فراخدلی سے دریائے فیض جاری رکھا۔ عراق میں آج تک ان کی فیاضی زبان زد خاص و عام ہے۔ ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ء میں وفات پائی۔ وفات کے بعد ان کی لاش کر بلائے معلیٰ لے جاکر دفن کی گئی۔

میر امام بخش خان

میر فیض محمد خان کی وفات کے بعد ۱۳۲۷ ھ میں میرا امام بخش خان نے عنان حکومت سنبھالی۔ ان کی سجع یہ تھیں۔

۱. یارب گناہ مابہ طفیل امام بخش
۲. علی مراد بگیرید وارث سہراب
۳. عطائے فیض محمد امام بخش نواب

میر امام بخش خان اپنے بزرگوں کی طرح شیعہ اثناء عشری عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کی حکومت میں سادات کرام کا بیحد احترام کیا جاتا تھا۔ یہ بھی سادات کے معتقد تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت میں بسر کردی۔ اپنے دور میں مساجد و امام بارگاہیں تعمیر کروائیں۔ اور خیرپور میں عزاداری سید الشہداء کو فروغ دیا۔

میر امام بخش ایک پرہیزگار متقی، رعایا پرور اور صوم و صلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۱ء میں درد شکم کی وجہ سے وفات پائی۔ ان کی والد کی لاش کربلائے معلیٰ میں دفن کی گئی ہیں۔

میر علی نواز خان ناز

میر امام بخش خان کی وفات کے بعد ان کے فرزند میر علی نواز خان کی ۱۹۲۱ء میں دستار بندی ہوئی۔ میر صاحب کی سجع میرزا قربان بیگ قربان کی تصنیف کردہ ہے۔

از آفتاب فیض محمد علی نواز
یارب بحق احمدؐ و زہراؑ علی نواز

نزبائنس میر علی نواز خان کی ولادت ۹ اگست ۱۸۸۴ء بمطابق ۱۷ شوال ۱۳۰۱ ھ کو ہوئی یہ ۲۷ برس کی عمر میں تخت نسین ہوئے۔ بچپن میں انہوں نے کوٹ ڈجی میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد لاہور کے چیفس کالج میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ولایت چلے گئے۔ میر صاحب کی تعلیم بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ یہ ایک روشن خیال اور ترقی پسند حکمران تھے۔

میر علی نواز خان اردو ، فارسی اور انگریزی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے ۔ جبکہ سندھی اور اردو زبانوں کے شاعر تھے ۔ ان کا تخلص نازؔ تھا ۔ میر صاحب اپنے آباؤ اجداد کی طرح اثناء عشری مذہب کے پابند ۔ مذہب شیعہ کی ترقی و فروغ کے لیے ان کی دینی خدمات مشہور ہیں میر صاحب نہایت منکسر المزاج ، سادہ طبیعت مدبّر و مفکر تھے ۔ وہ ۱۹۳۵ء میں وفات پاگئے کوٹ ڈجی میں ان کی لاش بطور امانت رکھی گئی اور کچھ عرصہ کے بعد حسبِ وصیت کربلائے معلیٰ میں دفن کی گئی ۔

میر علی نواز خان نازؔ کے دورِ حکومت میں مذہبِ اہلبیتؑ کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی ۔ ۱۹۱۶ میں شیعہ مفتی سید قاسم علی شاہ کی وفات کے بعد یہ عہدہ خالی رکھاگیا ۔ مگر میر علی نواز خان کے بعد سید خادم حسین شاہ کو ریاست خیر پور میں فقہ جعفریہ کا مفتی مقرر کیا گیا ۔ سید خادم حسین شاہ صاحب ڈیرہ غازی خان کے نقوی سادات سے تعلق رکھتے تھے ۔ اپنے دور میں مفتی صاحب نے مذہب اثنا عشری کی ترقی کے لیے بیحد محنت و مشقت کی اور متعدد مذہبی کتب بھی تحریر کیں ۔ خیرپور کی عیدگاہ مفتی صاحب کی کوشش و جستجو سے موجودہ جگہ پر تعمیر ہوئی ۔

میر علی نواز خان کے عہد سے پہلے محرم کی مجالس کو پر رونق بنانے کے لیے سندھ اور ملتان کے ذاکرین کرام بلائے جاتے تھے ۔ مگر میر علی نواز خان کے دور میں لکھنؤ اور دہلی سے بھی علماء و شعراء آنے شروع ہوئے ۔ جن کی وجہ سے مجالس میں رونق ہونے لگی۔ اسی دور میں کھڑوں کے کاظمی سادات کے فقیر منش انسان ریجھ علی شاہ نے اپنی کافیون کو اہلبیت کی محبت و کربلا کے درد ناک واقعہ سے ہم آہنگ کیا ۔ یہی نہیں بلکہ اپنے طلباء کو سیاہ لباس پہناکر شیعہ یونیفارم کو رواج دیا خود بھی سیاہ رنگ کی قمیض اور تہبند زیب تن کر کے ہر سال حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی کے میلے کے موقع پر ماتمی دستہ کی رہنمائی کرتے رہے اور اسی قائم شدہ ماتمی قافلہ کی سر پرستی آج بھی ان کے فرزند سید امام علی شاہ کرتے ہیں امیر علی نواز خان ایک بہترین شاعر تھے وہ اپنی ایک اردو غزل میں دنیا و دین میں حضرت علی کو وسیلہ بناتے ہیں ۔

یہاں دنیا میں جینے کو وہاں عقبیٰ میں بخشش کو
مجھے اے نازؔ کافی ہے وسیلہ شاہ مرداں کا

خاک کربلا کے لئے میر صاحب کا نذرانۂ عقیدت

سوائے سجدہ گہِ خاکِ کربلا اے نازؔ
سرِ نیاز کو میری کوئی جھکا نہ سکا

وہ اپنے سلام میں سرزمینِ کربلا کی قدر و منزلت اور آخرت میں بخشش کے متعلق اس طرح سخن طراز ہیں۔

اپنی بخشش کا سبب رونا رلانا ہوگیا
بخشوایا شہؑ نے اشکوں کا بہانہ ہوگیا
کربلا جب سے خریدی حضرتِ شبیرؑ نے
مومنوں کے مرنے جینے کا ٹھکانا ہوگیا

مدحتِ حضرتِ علیؑ بیان کرنے والے کا مرتبہ اپنے مقطع میں بیان کرتے ہیں کہ

مدحخواں حیدرؑ کے ہیں جبرئیل بھی اور ناز بھی
حشر میں دونوں کو جنت میں برابر دیکھنا

میر صاحب نے سندھی اور اردو دونوں زبانوں میں مرثیہ کہے ہیں جناب سیدہ فاطمہ زہرا اسلام اللہ علیہا کی شہادت پہ مرثیہ لکھا جس میں سیّدہ فاطمہؑ کی اس طرح مدح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آسیا خلق میں ہے آسیا سائے زہراؑ — پردۂ دیدۂ رحمت ہے ردائے زہرا
زیورِ گوشِ اجابت ہے دعائے زہراؑ — ذکرِ معبود ہے تسبیحِ ثنائے زہراؑ

سورتِ حمد بھی زہراؑ کی ثنا کرتے ہیں
قل ھو اللہ بھی اخلاص کا دم بھرتے ہیں

میر فیض محمد خان دوم

میر علی نواز خان کے انتقال کے بعد ۱۹۳۵ء میں ان کے ولی عہد میر فیض محمد خان دوئم تخت نشین ہوئے۔ انہی کے دوَر میں سکھر بیراج کی تعمیر ہوئی اس کے علاوہ ہائی کورٹ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ میر صاحب بھی محبِّ اہلبیتؑ اور شیعہ اثنا عشری تھے۔ اپنے دوَر حکومت میں شیعہ مذہب کی ترقی میں سرگرم عمل رہے۔ ایام محرم میں عزاداری برپا کرواتے رہے تھے۔ اور خود بھی سیاہ پوش ہوکر گریہ و زاری کرتے تھے۔ انہوں نے ۱۸ رجب ۱۳۴۱ھ کو وفات پائی۔ جناب نسیم امروہوی نے ان کی وفات پر حسب ذیل قطعہ لکھا ہے۔

دنیا سے چل بسا ہے وہ مستانۂ علیؑ
آمد کا جس کی شور ریاضِ جناں میں ہے
وہ اٹھ گیا کہاں سے سراپا جو فیض تھا
مشہور جو بہ فیضِ محمدؐ جہاں میں ہے
دنیا سے دور ہوکے ملا قربِ حیدریؑ
مرکر بھی اس کی روح ریاضِ جناں میں ہے
تاریخِ مرگِ میر یہ لکھ دیجئے نسیم
مولا کے پاس فیض محمد جناں میں ہے

۱۳۷۶ھ

میر فیض محمد خان کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کی لاش بطور امانت رہی اور ۱۹۵۴ء میں کربلائے معلیٰ میں دفن کے لیے لے جائی گئی جب ان کی لاش خیرپور سے کراچی پہنچی تو شاہانہ طریقہ سے توپوں کی سلامی دی گئی۔ اور تقریباً دس ہزار کے جلوس نے ان کی میت کو رخصت کیا۔ مولانا الحسنین نے خیرپور سے کراچی جاکر جلوس جنازہ کے اہتمام کی خدمت سر انجام دی۔

میر علی مراد خان ٹالپر ثانی موجودہ والئی خیرپور

میر علی مراد خان ۲۹ جون ۱۹۳۳ء میں انگلستان میں برائیٹین کے مقام پر پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد ولی عہدی کے زمانے ہی میں سکونت پذیر تھے۔ ۱۹۳۶ء میں برطانیہ نے انہیں ولی عہد ریاست تسلیم کیا۔ انہوں نے اچین کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء پر ۱۴ سال کی عمر میں تخت نشینی عمل میں آئی۔ ۱۹۵۰ء میں سینیر کیمبرج کا امتحان پاس کرکے تحصیلِ علم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۵۱ء میں قائد ملت (سابق وزیراعظم پاکستان) نے انہیں حکومتی اختیار دیئے۔ ۱۹۵۳ء میں اپنی روشن خیالی اور وسیع القلبی و وسیع النظری کے تحت اپنی ریاست میں ذمہ دار جمہوری حکومت کے قیام کا فرمان جاری کیا۔ آج کل وہ والئی ریاست خیرپور کی حیثیت سے خیرپور میں مقیم ہیں۔

آپ ہی نے خیرپور میں ایک بڑی امام بارگاہ جس میں اک طلائی ضریح پاک (جو سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے روضہ سے بالکل مشابہت رکھتی ہے) زرِ کثیر سے تعمیر کروائی ہے۔ اس امام بارگاہ میں طلائی فانوس بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بڑا ہال بھی تعمیر کروایا۔ جس میں مجالسِ سید الشہداء برپا ہوتی ہیں۔ میر صاحب مجالس محرم میں بنفسِ نفیس اس ہال میں بیٹھتے ہیں۔ ایام عزا میں وہ علم اٹھاکر پابرہنہ جلوس عزا کے ساتھ چلتے ہیں۔ عزا داری نہایت ہی اہتمام منعقد کرتے ہیں۔ اللہ انہیں مزید توفیق دے۔

سندھ میں دو بڑے اور تاریخی شہر واقع ہیں جن میں ایک حیدرآباد اور دوسرا خیرپور میرس۔ ان دونوں شہروں میں ٹالپر حکمرانوں کے دور حکومت میں شیعت اور عزاداری کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ خیرپور میں جہاں عزاداری کو بہت فروغ حاصل ہوا وہاں تقسیم سے پہلے ہندوستان سے سادات کرام اور شعرائے عظام آکر آباد ہوئے۔ شیعہ مدرسہ (سلطان المدارس) کے نام سے آج تک قائم ہے لیکن مدرسہ اور سندھی زبان میں شیعہ لٹریچر سزبائنس موصوف کی توجہ چاہتے ہیں۔ پچھلے دنوں محترم محمد علی حداو صاحب مرحوم نے آٹھ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ خیرپور میں شیعت کی تاریخ پر شائع کیا تھا لیکن خیرپور کی شیعہ تاریخ تقریباً آٹھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں محترم محمد علی

786
1526

حداد صاحب کی خدمات حاصل کرنی چاہیے تھی مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ۱۹۹۹ء میں انکی اچانک موت سے اب خیرپور کی شیعہ تاریخ لکھنے والا کوئی نہیں رہا۔ پھر بھی اس سلسلے میں حداد مرحوم کے فرزند وہ مواد جو ان کے والد مرحوم بڑی محنتِ شاقہ سے جمع کر کے گئے تھے اگر ترتیب دیں اور ہزبائنس موصوف اس کتاب کو سندھی اور اردو زبانوں میں منظرِ عام پر لانے کے لئے مالی امداد کریں تو اس خطہ کی شیعہ تاریخ پر بڑا احسان ہوگا۔ اور بجائے آٹھ سو صفحات کے آٹھ ہزار صفحات سے بھی زائد کئی ضخیم جلدیں منظر عام پر آسکتی ہیں۔ لیکن نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حیدرآباد اور خیرپور کے جن ٹالپر حکمرانوں نے اس سرزمین سندھ پر شیعت اور عزاداری کو جتنا فروغ دیا آج اتنا ہی ان کی اولاد اس طرف سے بالکل بے خبر ہے کاش یہ ٹالپر فرزندان خصوصاً حیدرآباد اگر آج اس مادی دنیا سے دور ہٹ کر اگر مذہب اہلبیتؑ کی تبلیغ میں بھرپور حصہ لیں تو اس تیز میڈیائی دوّر میں مذہبِ اہلبیتؑ انتہا کے درجے پر فروغ حاصل کرسکتا ہے نہ صرف یہ بلکہ اپنے لیے توشہ آخرت بھی مہیا کیا جاسکتا ہے۔

ACC No. 15093 Date 6/1/11
Section جعفریہ سندھ Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

شیعہ ملٹی میڈیا ڈاٹ کام
مرکزی ویب سائٹ آف عزاداری، پاکستان
شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ ملٹی میڈیا

شیعہ کتب ڈاونلوڈ کرنے کے لیے

www.ShiaMultimedia.com

تعارف

نام ابوالمحسن ڈاکٹر میرزا امام علی بیگ افسر
ولدیت میرزا امداد علی بیگ
تاریخ پیدائش ۱۴ اگست ۱۹۶۰ء
بمقام ٹنڈو آغا حیدر آباد سندھ
تعلیم پی ایچ ڈی (سندھی)
پتہ لیکچرار. گورنمنٹ سندھ کالج آف کامرس
حیدر آباد سندھ

مطبوعہ تصنیفات :

۱. سندھ جی عزاداری (سندھی)
۲. چودہ معجزے (سندھی)
۳. مجلس پڑھنے کا فن (سندھی)
۴. تعقیباتِ نماز (سندھی)
۵. نماز اثنا عشریہ (سندھی)
۶. عین البکأ (مجموعہ مراثیہ)
۷. ہیرن جو ہار (سندھی)
۸. سندھ اور اہلبیؑت(اردو)
۹. انگلش ٹو سندھی ڈکشنری.

غیر مطبوعہ :

۱. قرآن مجید بمعہ سندھی ترجمہ وتفسیر
۲. نہج البلاغہ سندھی ترجمہ
۳. مفا تیح الجنان سندھی

میرزا جمشید علی بیگ جمشید